تدبرِ قرآن

۳۸
ص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس گروپ کی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورہ کی بنیاد بھی توحید ہی پر ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ قرآن قریش کے لیے ایک عظیم یاددہانی ہے لیکن یہ محض اپنے کبر و غرور اور شرک پرستی کے جوش و جنون میں اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس انجام سے بالکل بے پروا ہیں جس سے قرآن ان کو آگاہ کر رہا ہے۔ یہ اس انجام کو دیکھ کر اس پر ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان بالکل بے سود ہوگا۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۱۱) یہ قرآن لوگوں کے لیے یاددہانی ہے لیکن لوگ کبر و غرور کی بنا پر اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنھوں نے اللہ کی یاددہانی کے معاملے میں یہی روش اختیار کی اور وہ ہلاک ہوئیں۔ یہ بھی انھی کی طرح اس وقت ایمان لائیں گے جب پانی سر سے گزر چکے گا۔ ان لوگوں پر یہ بات شاق گزری ہے کہ انھی کے اندر کا ایک شخص اللہ کے رسول کی حیثیت سے، ان کو شرک کے انجام سے ڈرائے چنانچہ وہ پورے جوش کے ساتھ اپنے معبودوں اور دینِ آبائی کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور رسول کو ساحر و کذاب قرار دے رہے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی تمام نعمتوں کا اجارہ دار اپنے آپ کو سمجھے بیٹھے ہیں۔ اس وجہ سے اس خبط میں مبتلا ہیں کہ اگر اللہ کو کوئی کتاب اتارنی ہوتی تو وہ انھی کے اندر کے کسی رئیس پر اتارتا نہ کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے ایک قلاش آدمی پر! گویا آسمان و زمین کی خدائی انھی کے ہاتھ میں ہے۔ انھیں پتہ نہیں ہے کہ جب خدا کی پکڑ میں آ جائیں گے تو کسی کی کچھ پیش نہیں جائے گی۔

(۱۲-۱۶) ماضی کی بعض سرکش قوموں کا حوالہ جنھوں نے اللہ کے رسولوں کے ساتھ یہی متکبرانہ روش اختیار کی اور بالآخر کیفرِ کردار کو پہنچیں۔ اسی ذیل میں قریش کو تنبیہ کہ خدا کے قہر کو دعوت نہ دو۔ تم اس کی ایک ڈانٹ کی بھی تاب نہیں لا سکتے۔

(۱۷-۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تلقین اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کے بعض واقعات کا حوالہ کہ اللہ نے ان کو بے مثال قوت و حشمت دی لیکن وہ اس سے کسی گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ ان کی دولت و شوکت میں جتنا ہی اضافہ ہوتا گیا اتنی ہی ان کی شکرگزاری اور انابت میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ وہ دوسروں کے واقعات

سے متنبہ ہو کر اپنی زندگی کی اصلاح کے لیے سبق حاصل کرتے۔ ان کی حکومت ایک عادلانہ حکومت تھی۔ انھوں نے خدا کی زمین میں حق و عدل قائم کیا۔ استکبار میں مبتلا ہو کر اس میں فساد نہیں برپا کیا۔

(۲۷-۲۹) ایک برمحل تنبیہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بازیچۂ اطفال نہیں بنائی ہے۔ اس کو جو لوگ بازیچۂ اطفال سمجھتے ہیں وہ آخرت کے منکر ہیں۔ اگر آخرت نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس دنیا کے خالق کی نظر میں مصلح اور مفسد، متقی اور فاجر دونوں یکساں ہیں۔ ایک حکیم خالق کے متعلق یہ بات تصور بھی نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اسی لیے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں، اس کی دلیلوں سے یاد دہانی حاصل کریں اور اس قسم کی مہلک غلط فہمیوں سے نکلیں۔

(۳۰-۴۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کی دولت و حشمت اور ان کے شکر و انابت کے بعض واقعات کا حوالہ بالکل اسی مقصد سے جس مقصد سے اوپر حضرت داؤد علیہ السلام کے بعض واقعات کا حوالہ گزرا ہے۔

(۴۱-۴۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بعض انبیاء علیہم السلام کا اجمالی حوالہ کہ راہِ حق میں ان کو جو مصیبتیں پیش آئیں انھوں نے خندہ پیشانی اور استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جس کے صلہ میں اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں سرخروئی عطا فرمائی۔

(۴۹-۵۰) اس حقیقت کا اظہار کہ یہ دنیا کوئی اندھیر نگری نہیں ہے اس وجہ سے لازماً اس کے بعد ایک فیصلے کا دن آئے گا جس میں متقی اور فاجر دونوں اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائیں گے۔ اسی جزا و سزا کی وضاحت۔

(۶۵-۸۸) خاتمۂ سورہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ اعلان کہ میں ایک منذر ہوں، اللہ واحد و قہار کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ میں جس بات کی خبر دے رہا ہوں وہ ایک امر شدنی ہے اور جو لوگ بربنائے استکبار اس کی تکذیب کر رہے ہیں وہ ابلیس کی پیروی کر رہے ہیں اور وہ اسی انجام سے دوچار ہوں گے جو ابلیس اور اس کے پیرؤوں کے لیے مقدر ہے۔

سُوْرَةُ صٓ (٣٨)

مَكِّيَّةٌ ——— اٰيَاتُهَا ٨٨

آيات ١-٢٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ
وَّشِقَاقٍ ﴿٢﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ
حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٤﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ
اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ
اصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا
فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ
مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿٨﴾
اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ اَمْ لَهُمْ
مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ﴿١٠﴾
جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ

لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

ع ۱۰ ۱۴

ترجمۂ آیات ۱-۱۶

یہ سورۂ صٓ ہے۔ قسم ہے یاددہانی سے معمور قرآن کی (کہ اس کی ہر بات حق ہے) بلکہ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا وہی گھمنڈ اور مخاصمت میں مبتلا ہیں۔ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں تو انھوں نے اس وقت ہائے پکار کی جب کوئی مفر باقی نہیں رہا۔ ۱-۳

ان لوگوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا۔ اور کافروں نے کہا یہ تو ساحر اور جھوٹا ہے۔ کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک کر دیا! یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہوئی! ان کے لیڈر اٹھے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو بے شک یہ کام کرنے کا ہے! ہم نے یہ بات اس دورِ آخر میں تو سنی نہیں! یہ محض ایک من گھڑت بات ہے! کیا ہمارے اندر سے اسی شخص پر یہ یاددہانی نازل کی گئی! بلکہ یہ لوگ میری یاددہانی کے باب میں مبتلائے شک ہیں۔ بلکہ اب تک انھوں نے میرے عذاب کا مزا نہیں چکھا۔ ۴-۸

کیا تیرے رب عزیز و وہاب کے فضل کے خزانے انہی کی تحویل میں ہیں! کیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہی انہی کے اختیار میں ہے! اگر ایسا ہے تو وہ آسمانوں کے اندر چڑھ جائیں۔ (جب میرا عذاب آ جائے گا) تو اس وقت جماعتوں میں سے کوئی بڑے سے بڑا لشکر بھی شکست کھا کے رہے گا۔ ۹-۱۱

ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور کثیر لشکروں والے فرعون نے تکذیب کی اور ثمود، قوم لوط اور بَن والوں نے بھی۔ یہ پارٹیاں ہیں۔ ان سب ہی نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب

ان پر نازل ہو کے رہا۔ اور یہ لوگ بھی صرف ایک ڈانٹ کے منتظر ہیں۔ جس کے بعد کوئی ڈھیل نہیں۔ اور انھوں نے کہا کہ اے رب، ہمارا حساب روزِ حساب سے پہلے ہی چکا دے۔ ۱۲-۱۶

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ (۱)

'صٓ' حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ یہ اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ ان حروف پر جامع بحث بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی متعین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ محض تکلف ہے۔

قرآن کے 'ذکر' سے موسوم ہونے کے بعض پہلو

'وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ'۔ جس طرح قرآن کی قسم سورۂ یٰسٓ میں 'حکیم' کی صفت کے ساتھ وارد ہوئی ہے اسی طرح یہاں 'ذِی الذِّکْرِ' کی صفت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ 'ذکر' کا اصل مفہوم یاددہانی کرنا ہے۔ قرآن سرتاسر یاددہانی ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام بھی جگہ جگہ 'ذکر' آیا ہے۔ آگے آیت ۸ میں اس کا یہی نام آیا ہے۔ اس کے اس نام اور اس صفت سے موسوم و موصوف ہونے کے کئی پہلو ہیں۔

—— یہ ان تمام حقائق کی یاددہانی کرتا ہے جو انسان کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں لیکن انسان ان کو بھولا ہوا ہے۔

—— اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے خلق کے لیے جو ہدایت نازل فرمائی اور جس کو لوگ بھلا بیٹھے تھے، یہ اس کی بھی یاددہانی کرتا ہے۔

—— اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نقمت کے ظہور کے جو بڑے بڑے واقعات اس دنیا میں پیش آئے، اس کے اندر ان کی بھی یاددہانی ہے۔

—— رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو جس انجام سے دوچار ہونا پڑا، یہ ان سے بھی باخبر کرتا ہے۔

—— اس دنیا کی زندگی کے بعد جس مرحلۂ حساب و کتاب اور جزا و سزا سے لوگوں کو سابقہ پیش آنا ہے، یہ اس کو بھی یاد دلاتا ہے۔

یہ سارے پہلو اس کی صفت 'ذِی الذِّکْرِ' کے اندر موجود ہیں۔ آگے اسی سورہ کی آیات ۸، ۳۲، ۴۶، ۴۹ اور ۸۷ کے تحت ان کی وضاحت آرہی ہے۔

مُقسَم علیہ قسم کے اندر مضمر ہے

اس قسم کا مُقسَم علیہ یہاں الفاظ میں مذکور نہیں ہے بلکہ وہ قسم کے اندر ہی مضمر ہے۔ یہ طریقہ ان مواقع میں اختیار کیا جاتا ہے جہاں قسم کی نوعیت ایسی ہو کہ مُقسَم علیہ ذکر کے بغیر اس سے واضح ہو رہا ہو۔ یہاں یہی صورت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن جن یاد دہانیوں سے مملوّ ہے وہ اس بات پر شاہد ہیں کہ آج قریش کو جن باتوں کی تذکیر کی جا رہی ہے وہ بالکل ناقابلِ انکار ہیں۔ اگر وہ ان کو نہیں مان رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کے اندر کسی ریب و شک کی گنجائش ہے بلکہ اس کا سبب محض ان کی انانیت اور مخاصمت ہے۔

بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ (۲)

قرآن کی مخالفت کی اصل علت

'اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا' سے مراد یہاں خاص طور پر قریش ہیں۔ فرمایا کہ ان کے انکار کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قرآن کی تذکیر میں کوئی کسر ہے بلکہ یہ گھمنڈ اور مخاصمت میں مبتلا ہیں۔ ان کے اس گھمنڈ اور ضد کی وضاحت آگے کی آیات میں آ رہی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خرابی قرآن میں نہیں بلکہ خود ان لوگوں کے اپنے اندر ہے۔ قرآن ہر پہلو سے نہایت مدلّل، دلنشین اور مؤثر یاددہانی کر رہا ہے لیکن جن لوگوں نے انانیت اور مخالفت کی روش اختیار کر رکھی ہو ان پر اس کی تذکیر کیا کارگر ہو سکتی ہے!

کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ (۳)

ماضی کی تاریخ کی طرف ایک اشارہ

یعنی ان کی انانیت پر یہ بات بہت شاق گزر رہی ہے کہ انھیں ڈرایا جا رہا ہے کہ اگر وہ قرآن کی تکذیب پر اڑے رہے تو خدا کے عذاب کی زد میں آ جائیں گے۔ حالانکہ تاریخ کی کتنی مثالیں ان کو سنائی جا چکی ہیں کہ جن قوموں نے ان کی طرح ضد کا ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ جب وہ خدا کی پکڑ میں آ گئیں تو انھوں نے بہت ہائے پکار اور توبہ و ایمان کی منادی کی۔ لیکن اس وقت ان کے لیے کوئی مفر باقی نہیں رہا تھا اس لیے کہ ظہورِ عذاب کے بعد توبہ اور ایمان کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

'لَاتَ'

'لَاتَ' اصل میں 'لَا' ہے البتہ اس کے ساتھ 'ت' کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح کا اضافہ 'ثُمَّ' اور 'رُبَّ' کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ اس صورت میں یہ وقت کی نفی کے لیے خاص ہو جاتا ہے جس طرح یہاں ہے۔

وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ (۴)

مکذبین کا غرور

یعنی ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ انہی کے اندر کا ایک شخص ان کے لیے خدا کا منذر بن کر آیا۔ خدا کو کوئی منذر ہی بھیجنا ہوتا تو کسی مافوق بشر ہستی کو منذر بناتا، انہی جیسے ایک انسان کو منذر بنانے کے کیا معنی! اور اگر انسان ہی کو منذر بنانا تھا تو آخر خدا کی نظر ایک غریب آدمی پر کیوں پڑی، مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی کو اس مقصد کے لیے اس نے کیوں نہیں انتخاب کیا؟ گویا پیغمبر کی بشریت بھی ان کے لیے وجہِ انکار بنی اور ان کی غربت و ناداری بھی۔ اس آیت میں پہلی وجہِ انکار کی طرف اشارہ ہے، آگے آیت ۸ میں دوسری وجہِ انکار کا ذکر آ رہا ہے اور یہ دونوں چیزیں غرور اور گھمنڈ میں داخل

ہیں جس کا ذکر اوپر لفظ 'عزت' سے ہوا ہے۔

قرآن سے عوام کو برگشتہ کرنے کے لیے قریش کے لیڈروں کا ایک اشتعلا

'وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ' یعنی اپنے اس عُجب و استکبار کی بنا پر ان کافروں نے ہمارے پیغمبر کو 'ساحر' اور 'کذاب' قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور قرآن کو سحر کہنے کی وجہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ قریش کے لئے قرآن کی معجزانہ فصاحت و بلاغت سے تو انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن وہ اپنے عوام پر یہ اثر نہیں پڑنے دینا چاہتے تھے کہ وہ اس فصاحت و بلاغت سے مسحور ہو کر اس کو کلامِ الٰہی مان لیں۔ اس چیز سے لوگوں کو بچانے کے لیے وہ قرآن کو سحر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہتے اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ اس شخص کے کلام میں جو تاثیر و تسخیر ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے بلکہ یہ کلام کا جادوگر ہے اس وجہ سے اس کی باتیں دلوں پر اثر کرتی ہیں۔ قرآن کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے کی وجہ بھی یہی تھی۔

'کَذَّابٌ' کے معنی ہیں جھوٹا، لپاٹیا اور لاف زن۔ یہ لفظ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی تردید کے جوش میں کہتے۔ یعنی ہے تو یہ شخص کلام کا جادوگر لیکن عوام پر اپنی دھونس جمانے کے لیے دعویٰ یہ کرتا ہے کہ وہ جو کچھ لوگوں کو سنا رہا ہے وہ خدا کی طرف سے اس پر وحی ہوتا ہے اور وہ خدا کا منذر ہو کر آیا ہے۔ چونکہ ان کو اصل چڑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت ہی سے تھی اس وجہ سے اس کی تردید میں وہ نہایت سخت تھے جس کا اظہار اس لفظ سے بھی ہو رہا ہے۔

اس آیت کا اسلوبِ بیان شاہد ہے کہ اس میں ان محروم القسمت لوگوں کے حال پر اظہارِ حسرت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ان کی تنبیہ و تذکیر کے لیے ان کے اندر ایک منذر بھیجا، ان کے لیے ایک یاد دہانی کرنے والی کتاب نازل فرمائی لیکن وہ غرور کے سبب سے اس بات پر تعجب کر رہے ہیں کہ انہی جیسا ایک بشر ان کے پاس انذار کے لیے آئے۔ اس رعونت میں ان کافروں نے اللہ کے رسول کو ساحر اور کذاب بنا ڈالا۔

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (۵)

قریش کا زہریلا پروپیگنڈا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کے ساتھ دوسری چیز جس سے قریش کے لیڈروں کو سب سے زیادہ چڑ تھی وہ آپ کی دعوتِ توحید تھی۔ اس کی آڑ لے کر وہ اپنے عوام کو آپ کے خلاف خوب بھڑکاتے چونکہ قبیلہ قبیلہ کے بُت جدا جدا تھے اور ہر قبیلہ اپنے بُت کے ساتھ اندھی بہری عقیدت رکھتا تھا اس وجہ سے وہ قبائل کی عصبیت بھڑکانے کے لیے یہ زہریلا پروپیگنڈا کرتے کہ اس شخص نے تمام معبودوں کو ختم کر کے ایک معبود بنا ڈالا، اس سے زیادہ عجیب بات اور کیا ہو سکتی ہے! اس فقرے کے اندر غور کیجیے تو دو زہر چھپے ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس شخص نے اس معبود کے سوا، جس کو یہ خود معبود مانتا ہے دوسرے تمام معبودوں کی خدائی ختم کر دی۔ دوسرا یہ کہ یہ اس نے ایسی حرکت کی ہے جو ایک نہایت انوکھی حرکت ہے

جس کی کوئی مثال ہم اپنے آباء و اجداد کی تاریخ میں نہیں پاتے۔ لفظ عُجَابٌ، کے اندر عجیب، کے مقابل میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ پروپیگنڈا پوری قوم عرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے اپنے پیغمبر کو محفوظ رکھا۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ (۶)

لیڈروں کے طرزِ عمل کی تصویر

یہ تصویر ہے اس رویے کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لیے قریش کے لیڈر اختیار کرتے۔ اگر وہ کبھی دیکھتے کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے متاثر ہو رہے ہیں تو یہ وہاں سے چل کھڑے ہوتے اور دوسروں کو بھی اکساتے کہ یہاں سے چلو، اس شخص کی باتیں نہ سنو بلکہ اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو۔

اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ۔ یعنی کرنے کا اصلی کام یہ ہے۔ یہ شخص جو وعظ تمھیں سنا رہا ہے یہ تمھارے دینِ آبائی سے تم کو پھیرنے کی کوشش ہے۔ اس کے برعکس کرنے کا کام، جو ہم میں سے ہر شخص کا مطلوب ہونا چاہیے یہ ہے کہ ہم اس کی تمام کوششوں کے علی الرغم اپنے معبودوں کی عبادت پر آخر دم تک جمے رہیں۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (۷)

عرب کی تاریخ سے متعلق قرآن اور قریش کے نقطۂ نظر کا اختلاف

یہ قریش کی طرف سے اس تاریخ کی تردید ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ عرب کی بیان فرماتے۔ آپ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کی تاریخ سے یہ واضح فرما دیا تھا کہ ان تمام انبیاءؑ نے توحیدِ خالص کی تعلیم دی، خاص کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم و دعوت اور حضرت اسماعیلؑ اور بیت اللہ کی جو تاریخ قرآن میں نہایت وضاحت سے بیان ہوئی ہے اس کا مقصد عربوں پر اسی حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ ان کی ملت کی اصل تاریخ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ سے شروع ہوتی ہے اور ان بزرگ نبیوں نے اپنی اولاد کو اس سرزمین میں اسلام کی خدمت اور توحیدِ خالص کی دعوت کے لیے بسایا تھا اور اسی مقصد کے لیے اس گھر کی تعمیر فرمائی تھی جس کے آج قریش متولی بنے ہوئے ہیں۔ اور جس کے کونے کونے میں انھوں نے بتوں کو لا بسایا ہے۔ یہ تاریخ قریش کے تمام مزعومات پر ایک ضرب کاری تھی لیکن یہ اس قدر واضح اور دل نشین تھی کہ اس کے خلاف کہنے کے لیے ان کے پاس کوئی ایسی بات نہیں تھی جو لوگوں کو اپیل کر سکے لیکن وہ اپنے گھمنڈ اور اپنی مکابرت کے سبب سے اس کو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں تھے اس وجہ سے کہتے کہ یہ توحید کی بات ہم نے اپنی ملت کے دورِ آخر میں تو سنی نہیں اس وجہ سے یہ ساری داستان جو توحید کے حق میں ہم کو سنائی جاتی ہے بالکل من گھڑت ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ملتِ عرب کی تاریخ یہ ہوتی جو قرآن میں بیان کی جا رہی ہے اور جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس تحدی کے ساتھ پیش کر رہے ہیں تو آخر اس کی کچھ صدائے بازگشت اس ملت کے دورِ آخر میں بھی تو ہونی چاہیے تھی! لیکن ہم نے اپنے آباء و اجداد سے تو اس طرح کی کوئی بات نہیں سنی۔ ہم نے یہی دین

ان سے پایا، اسی پر چل رہے ہیں اور اسی پر چلتے رہیں گے۔

بعض لوگوں نے 'ملت آخرہ' سے ملتِ عیسوی کو مراد لیا ہے لیکن اس کا کوئی قرینہ یہاں نہیں ہے۔ ملتِ عیسوی کا حوالہ تو اس شکل میں ان کے لیے معتبر و مؤثر ہوتا جب وہ اور ان کے عوام اس کے معتقد ہوتے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت ملت عیسوی کی بنیاد پر دی ہوتی۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ (٨)

قریش کے پندارِ سیادت پر ضرب

یعنی وہ اپنی ریاست و امارت کے غرور میں کہتے ہیں کہ اگر خدا کو کوئی کتاب کسی بشر پر اتارنی ہی ہوتی تو کیا اس کے لیے ہمارے اندر سے اس کو یہی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ملے! اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کرنا چاہتا تو اس کے لیے وہ مکہ یا طائف کے رئیسوں میں سے کسی کا انتخاب کرتا نہ کہ ان کے جیسے ایک مفلس و نادار آدمی کا۔ اس نے تمام سرفرازیاں تو ہم کو بخشیں تو اس عزت کے لیے وہ ان کا انتخاب کیوں کرتا؟ یہ ان کے اس پندار کا بیان ہے جس کا ذکر آیت ۲ میں 'فِيْ عِزَّةٍ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اُن کے اس پندار پر ضرب لگانے کے لیے فرمایا کہ 'بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ' کہ ان کی یہ تمام مشیخت مآبیاں اس وجہ سے ہیں کہ ان کو اس قرآن کے ذریعے جس عذاب کی یاددہانی کی جا رہی ہے اس کی طرف سے ابھی وہ شک میں ہیں، یہ اس کو محض ہوائی بات سمجھ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک وہ ان کے سامنے آیا نہیں اور یہ لوگ مجرد باتوں سے قائل ہونے والے اسامی نہیں ہیں بلکہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ماننے والے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی تو ان کو دلیلوں سے سمجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اگر یہ دلیلوں سے نہ سمجھے تو بالآخر عذاب کا تازیانہ بھی ان کے لیے نمودار ہو جائے گا۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ (٩)

رعونت کا جواب

یہ ان کی اس رعونت کا جواب ہے جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ ہے کہ یہ اپنے سوا خدا کے کسی فضل و رحمت کا حقدار کسی کو نہیں سمجھتے، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی کنجیاں انہی کو پکڑا دی ہیں کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں۔ چنانچہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ ان کے دائرہ سے باہر اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت و رسالت اور قرآن و کتاب کا حامل کس طرح بنا سکتا ہے! انھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ 'عزیز' اور 'وہاب' یعنی اپنے تمام خزانوں کا بلا شرکتِ غیرے مالک و متصرف اور بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ وہ اپنے ان بندوں کو بھی بڑی فیاضی سے بخشتا ہے جو ان کی نظروں میں اگرچہ کسی چیز کے اہل نہیں ہیں لیکن خدا کی نظروں میں ان کا بڑا مرتبہ ہے چنانچہ اس نے اگر ان کو اس زمین کے کچھ خزف ریزے دیے ہیں جن پر یہ اترا رہے ہیں تو اس نے جس کو چاہا ہے نبوت و رسالت اور علم و حکمت کی بادشاہی بخش دی ہے جس سے بڑے منصب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سورۂ طور میں بھی یہ مضمون بیان

ہوا ہے، 'اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (۳۷) (کیا تیرے رب کے خزانے اس کے پاس ہیں یا یہ داروغے مقرر کر دیے گئے ہیں!)۔

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ (۱۰)

یہ اسی اوپر والی بات کی مزید تفصیل ہے۔ یعنی اگر ان کا زعم یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ان کے ہاتھ میں ہے تو آسمانوں پر چڑھ جائیں اور اس رحمت کو روک دیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر نازل فرما رہا ہے۔

'اسباب' سے مراد 'اسباب السمٰوٰت' ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کے اطراف اور متعلقات کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اس کی تحقیق اس کے محل میں گزر چکی ہے۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (۱۱)

عذابِ الٰہی کا مقابلہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں کر سکتی

'هُنَالِكَ' کا اشارہ اسی عذاب کی طرف ہے جس کا ذکر آیت ۸ میں 'لَمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ' کے الفاظ سے گزرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اس قرآن کی تصدیق کے لیے عذابِ الٰہی کے ظہور کے منتظر ہیں تو یاد رکھیں کہ جب وہ عذاب آ جائے گا تو کوئی بڑے سے بڑا لشکر بھی خواہ کسی بھی قوم کا ہو، اس کے مقابل میں نہیں ٹک سکے گا۔ بلکہ وہ لازماً شکست کھائے گا۔ 'جُنْدٌ' کی تنکیر یہاں تفخیم شان کے لیے اور 'مَا' اس تنکیر کی تاکید کے لیے ہے۔ یعنی کوئی لشکر بھی ہو اور وہ کتنی ہی قوت و صولت رکھتا ہو، عذابِ الٰہی کے مقابل میں وہ نہیں ٹک سکتا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۚ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ (۱۲-۱۴)

ذوالاوتاد

'ذُو الْاَوْتَادِ' کا لفظی ترجمہ ہوگا 'میخوں والا' لیکن عربی میں میخوں سے خیموں کو تعبیر کرتے ہیں اور پھر خیموں سے بطریق کنایہ فوجیں مراد لیتے ہیں۔ یہ اسی طرح کا کنایہ ہے جس طرح 'قدور راسیات' سے کسی شخص کی فیاضی کو تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی فیاضی کی تعبیر کے لیے یہ کنایہ آیا ہے۔ یہاں 'ذوالاوتاد' سے فرعون کی کثیر فوجوں کی طرف اشارہ ہے جو خیموں میں رہتی تھیں۔ فرعون کی فوجوں کی کثرت کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ آیا ہے اور یہ تمام فوجیں اس کے ساتھ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر سمندر میں غرق ہوئیں۔

'اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ' سے مراد اصحاب مدین ہیں۔ 'ایکۃ' کے معنی جنگل کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے 'مدین' کے پاس کوئی جنگل بھی تھا اس وجہ سے یہ لوگ اس نام سے بھی معروف تھے۔ اس کی تحقیق اس کے محل میں گزر چکی ہے۔

اوپر آیت ۸ میں یہ بات جو فرمائی ہے کہ جب عذابِ الٰہی آ جائے گا تو کسی جماعت یا قوم کی قوت

و جمعیت کتنی ہی ہو، وہ اس کے مقابل میں نہیں ٹک سکے گی، یہ اسی بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ ان تمام قوموں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور جب اس کی پاداش میں ان پر اللہ کا عذاب آیا تو ان میں سے کوئی بھی اس کے مقابل میں نہ ٹک سکی۔

'اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ' میں خبر حذف کر دی گئی ہے۔ اس لیے کہ موقع و محل سے یہ خود واضح ہے اور بعد کا ٹکڑا اس کو مزید واضح کر رہا ہے۔ یعنی دیکھ لو یہ بڑی نامی گرامی قومیں تھیں لیکن ان کا حشر کیا ہوا! جب اللہ کا عذاب آیا تو یہ سب خس و خاشاک کی طرح اُڑ گئیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہی حشر تمہارا بھی ہونا ہے اگر تم نے بھی انہی کی روش اختیار کی۔

'اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ' یعنی ان میں سے ہر ایک کا اصلی جرم یہی تھا کہ انھوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اسی جرم کے مرتکب تم بھی ہو رہے ہو۔ 'فَحَقَّ عِقَابِ' اصل میں 'حَقَّ عِقَابِیْ' ہے۔ قافیہ کی رعایت سے 'ی' گر گئی ہے جس طرح 'لَمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ' میں گر گئی ہے۔

وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ہ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ (۱۵-۱۶)

'فَوَاق' کے معنی وقفہ اور مہلت کے ہیں۔

'قِطّ' حصہ اور نصیب کے معنی میں آتا ہے۔

مطالبۂ عذاب اور اس کا جواب

اشارہ قریش کی طرف ہے کہ یہ لوگ بڑے طنطنہ سے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں گویا اس کے مقابلہ کے لیے انھوں نے کوئی ناقابلِ تسخیر دفاعی لائن تعمیر کر لی ہے حالانکہ ان کو پامال کر دینے کے لیے خدا کی ایک ہی ڈانٹ کافی ہو گی، دوسری کی نوبت بھی نہیں آنے پائے گی اور اس کی پکڑ ایسی ہو گی کہ پھر ایک لمحہ کے لیے بھی ان کو فرصت نصیب نہیں ہو گی۔

'وَقَالُوْا رَبَّنَا ..... الاٰیۃ' یہ مطالبۂ عذاب کے معاملے میں ان کی رعونت کا بیان ہے کہ یہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کے جوش میں یہاں تک کہہ گزرے کہ اے رب! اگر یہ شخص اپنے اس دعوے میں سچا ہے کہ ہم نے اس کی تکذیب کی تو ہم پر کوئی عذاب آجائے گا تو وہ عذاب قیامت سے پہلے ہی ہم پر آجائے تاکہ اس کی سچائی ثابت ہو جائے، اگر یہ سچا ہے، اور (نعوذ باللہ) اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اگر یہ جھوٹا ہے، جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ قریش کے اس مطالبہ کا ذکر سورۂ انفال میں بھی بدیں الفاظ گزر چکا ہے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (۳۲)	اور جب کہ انھوں نے کہا، اے اللہ، اگر یہی حق ہو تیرے پاس سے تو ہم پر پتھر برسا دے آسمان سے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر نازل کر۔

روایات میں ابوجہل سے متعلق بھی یہ بات منقول ہے کہ بدر کے موقع پر اس نے یہ دعا کی تھی کہ اے خدا، جو ہمارے اندر سے اس قطعِ رحم کا باعث ہوا ہے کہ قریش کی تلوار خود قریش ہی کے مقابل میں بے نیام ہے، اس کو تو کل کچل دیجیو!

۲- آگے کا مضمون - آیات ۱۷-۲۹

آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہوئی کہ تم مخالفوں کی اس تمام مخالفت کے باوجود اپنے موقفِ حق پر ڈٹے رہو اور حضرت داؤد علیہ السلام کی سرگزشت سے خود بھی سبق حاصل کرو اور ان لوگوں کو بھی ان کے حالات سناؤ کہ اللہ نے ان کو جو دولت و حشمت دی اس کا عشرِ عشیر بھی قریش کو حاصل نہیں ہے لیکن وہ یہ سب کچھ پا کر ان کی طرح غرور و گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ جتنا ہی ان پر اللہ کا انعام بڑھتا گیا اتنی ہی ان کی شکر گزاری اور توجہ الی اللہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ لوگوں کے مقدمات بڑے صبر و حلم سے سنتے اور عدل کے مطابق ان کے فیصلے کرتے اور اگر ان مقدمات کے اثناء میں کوئی بات ان کے سامنے ایسی آجاتی جو خود ان کے لیے سبق آموز ہوتی تو فوراً اپنے رب کے آگے توبہ و استغفار کے لیے سجدے میں گر پڑتے۔ اللہ نے ان کو جو عظیم حکومت دی وہ انھوں نے اللہ کے احکام کے مطابق چلائی، استکبار میں مبتلا ہو کر اپنی خواہشوں کی پیروی نہیں کی۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ جو لوگ زمین میں اقتدار پا کر خدا کے اقتدار اور آخرت کے محاسبہ کو بھول جائیں گے وہ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچیں گے۔ اس لیے کہ یہ دنیا اس کے خالق نے بازیچۂ اطفال نہیں بنائی ہے بلکہ اس کے بعد ایک ایسا دن لازماً آنا ہے جس میں وہ ان لوگوں کو صلہ دے جو اس زمین میں اس کی خلافت کا حق ادا کریں اور وہ لوگ کیفرِ کردار کو پہنچیں جو استکبار میں مبتلا ہو کر اس میں دھاندلی مچائیں —— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۷-۲۹

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وقف لازم وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ

وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِىْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً
وَّلِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِىْ فِى الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ
لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ
لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا
وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ السجدة
مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ
الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ع ۱۲ ۱۱
ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ترجمۂ آیات ۱۷-۲۹

یہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد، زور و قوت والے کا حال سناؤ،
بے شک وہ اللہ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو لگا دیا جو
شام و صبح اس کے ساتھ تسبیح کرتے اور پرندوں کو بھی، جھنڈ کے جھنڈ — سب اللہ کی طرف
رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے اس کی سلطنت مستحکم کر دی تھی اور اس کو حکمت اور معاملات کے

فیصلہ کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ ۱۷-۲۰

کیا تمھیں فریقوں کے معاملہ کی خبر پہنچی ہے جب کہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں داخل ہو گئے،

جب کہ وہ داؤد کے پاس جا پہنچے تو وہ ان سے ڈرا۔ وہ بولے کہ آپ ڈریں نہیں، ہم دو فریقِ معاملہ ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ تو ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے اور کوئی بے انصافی نہ کیجیے اور صحیح راہ کی طرف ہماری رہنمائی کیجیے۔ ۲۱-۲۲

یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے (۹۹) دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے، پس اس نے کہا کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور بحث میں اس نے مجھے دبا لیا۔ داؤد نے کہا، اس نے تمھاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کر کے تمھارے اوپر ظلم کیا ہے۔ اور اکثر شرکاء اسی طرح ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ بس وہی اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان رکھتے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اس کا امتحان کیا ہے تو اس نے اپنے رب سے استغفار کیا اور اس کے حضور جھک پڑا اور توبہ کی۔ تو ہم نے اس کو معاف کر دیا اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس خاص مقامِ قرب اور اچھا انجام ہے۔ ۲۳-۲۵

اے داؤد، ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تو لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دے۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے بوجہ اس کے کہ انھوں نے روزِ حساب کو بھلائے رکھا۔ ۲۶

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں عبث نہیں پیدا کی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے کفر کیا تو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا دوزخ کی ہلاکت ہے۔ کیا

ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیے زمین میں فساد مچانے والوں کی طرح کر دیں گے، یا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح بنا دیں گے!! یہ نہایت مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور صاحب عقل اس سے یاددہانی حاصل کریں۔ ۲۷-۲۹

۲۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَاالْاَیْدِ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ (۱۷)

حضرت داؤد کی زندگی کا نمونہ پیغمبر کے لیے بھی اور قریش کے لیے بھی

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے نہایت مؤثر واقعات زندگی انبیاء، نمل اور سبا میں بھی گزر چکے ہیں۔ یہاں کچھ نئے واقعات ان کی زندگی کے سنائے گئے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی موجب تسلی ہیں اور قریش کے لیڈروں کے لیے بھی نہایت سبق آموز ہیں، اگر وہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ لفظ 'اُذْکُرْ' یہاں اپنے اندر دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اپنے مخالفوں کی ان دل آزار باتوں پر صبر اور ہمارے بندے داؤدؑ کے حالاتِ زندگی سے تسلی حاصل کرو کہ وہ طاقت و قوت رکھنے کے باوجود کس علم و تحمل کے ساتھ لوگوں کے ناگوار رویے کو برداشت کرتے، نہایت عدل و مہربانی کے ساتھ ان کے معاملات کے فیصلے فرماتے اور دوسروں کے واقعات سے خود اپنی زندگی کے لیے سبق حاصل کرتے۔

دوسرے کا تعلق قریش کے ان متمردین سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے صاحب قوت و جمعیت بندے داؤدؑ کے حالاتِ زندگی سناؤ کہ باوجودیکہ ان کو ان سے کہیں زیادہ دولت و حشمت حاصل تھی لیکن اس چیز نے ان کی طرح کسی غرور و استکبار میں اُن کو مبتلا نہیں کیا بلکہ وہ اپنے رب کی طرف برابر متوجہ رہنے والے بندے تھے۔ ان کے واقعاتِ زندگی شاہد ہیں کہ وہ دوسروں کے واقعات سے اپنی فروگذاشتوں پر متنبہ ہو کر اپنے رب کے آگے توبہ و استغفار کے لیے گر پڑتے۔

قوت نعمت اس وقت ہے جب اس کے ساتھ انابت ہو

'اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ' یعنی وہ اپنے رب کی طرف بڑے رجوع ہونے والے بندے تھے۔ یہاں آگے جو واقعات بیان ہوئے ہیں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اسی وصف کو نمایاں کرنے والے ہیں۔ دوسری سورتوں میں ان کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکرگزاری کے وصف کو نمایاں فرمایا گیا ہے۔ اس سورہ میں ان کی خشیت و انابت کے پہلو کو نمایاں فرمایا گیا تاکہ قریش کے اس کبر و غرور پر ضرب پڑے جس کا ذکر پہلی آیت میں عزت و

شقاق' کے الفاظ سے ہوا ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رکھیے کہ انسان فرشتہ نہیں ہے کہ اس سے کسی غلطی کا صدور ہی نہ ہو۔ انسان جب اختیار کی نعمت سے نوازا گیا ہے اور اس کے اس اختیار کی آزمائش بھی ہو رہی ہے تو ہر قدم پر اس سے غلطی کا امکان ہے لیکن یہ غلطی کا امکان اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہلاکت کے لیے نہیں رکھا ہے بلکہ یہ بھی اس کے لیے سب سے بڑی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے اگر وہ اپنی غلطی کے بعد اپنے رب کی طرف رجوع ہونا اور توبہ و استغفار کرنا سیکھ جائے۔ انسان کی شامت اس وقت آتی ہے جب وہ جرم پر جرم کیے چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے جرائم اس طرح اس پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ خود متنبہ ہونا تو الگ رہا اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کو متنبہ کرتا ہے تو وہ کبر و غرور کے سبب سے اس کے بھی درپئے آزار ہو جاتا ہے۔ قرآن نے یہاں 'ذَا الْاَيْدِ' اور 'اَوَّابٌ' دونوں صفتوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے یہ دکھایا ہے کہ کوئی صاحب قوت و حکومت شخص اللہ تعالیٰ کا منظور نظر بندہ اس وقت بنتا ہے جب قوت و شوکت کے ساتھ اس کے اندر 'اَوَّابِيَّت' کی صفت پائی جائے۔ اگر قوت و صولت اس کے اندر 'عزت و شقاق' کی رعونت پیدا کر دے تو یہ نمرودیت اور فرعونیت ہے جو اللہ کے نزدیک ملعون و مبغوض ہے۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ (۱۸-۱۹)

حضرت داؤدؑ کی اوابیت

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی 'اَوَّابِيَّت' کی وضاحت ہے کہ وہ شام و صبح دامنِ کوہ میں بیٹھ کر اپنے رب کی تسبیح کرتے اور جب وہ اپنے خاص لحن میں زبور کے منظوم نغمے چھیڑتے تو پہاڑ بھی ان کی ہمنوائی کرتے اور پرندے بھی جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو کر ان کے سُر میں اپنے سُر ملاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پُرسوز لحن اور ان کے دردمند دل میں ایسی تاثیر و تسخیر رکھی تھی کہ ان کے اردگرد کی پوری فضا ان کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھتی اور دشت و جبل، چرند و پرند سب توبہ و مناجات کے لیے ان کے شریک بزم بن جاتے ــــ اس حقیقت کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں کہ اس کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے لیکن ہمارے نہ سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی بھی ان کو نہیں سمجھتا۔ حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہاڑوں کو موم کر دینے والا اور پرندوں کو جذب کر لینے والا سوز و لحن بخشا تھا اسی طرح ان کو وہ گوش شنوا بھی عطا فرمایا تھا کہ وہ ان کی تسبیح و مناجات کو سمجھ سکیں۔ پچھلی سورتوں میں ان باتوں کی وضاحت ہو چکی ہے اس وجہ سے یہاں ہم اشارہ پر کفایت کرتے ہیں۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (۲۰)

حضرت داؤدؑ کی قوت و صولت

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قوت و صولت کا بیان ہے جس کا ذکر اوپر 'ذَا الْاَيْدِ' کے لفظ سے ہوا ہے۔ 'شَدَدْنَا مُلْكَهُ' یعنی ہم نے اس کی حکومت اچھی طرح مستحکم کی تھی اور اس کو مستحکم رکھنے کے لیے اس کو 'حکمت' اور 'فصل خطاب' کی صلاحیت سے نوازا تھا۔ حکمت کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے

'فصلِ خطاب' سے مراد فیصلۂ نزاعات کی صلاحیت ہے۔ لفظ خطاب آگے آیت ۲۳ میں بحث و نزاع کے مفہوم میں آیا بھی ہے۔

حکومت کے استحکام کے لیے اولین شے

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے استحکام کے لیے اول شے یہ ہے کہ حکمران 'حکمت' کے نور سے منور اور فیصلۂ معاملات کی صلاحیت سے بھرپور ہوں۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو حکومت کی بنیاد ریت پر ہے اگرچہ اس کے پاس دوسرے اسباب و وسائل کی کتنی ہی وافر مقدار موجود ہو۔ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ اس تعلق سے محروم حکمران اسی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس پر یہاں تنقید ہو رہی ہے اور اپنے ساتھ اپنی پوری قوم کی تباہی کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکومت کی طاقت کا ہونا ویسا ہی ہے جیسے نادان کے ہاتھ میں تلوار ہو۔

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (۲۱)

حضرت داؤدؑ کے فصلِ خطاب کی ایک مثال

یہاں کی حکمت و دانش، ان کے عدل یا قرآن کے الفاظ میں ان کے 'فصلِ خطاب' کی ایک مثال بیان ہو رہی ہے جس سے چند باتیں نہایت واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ عدل کے معاملے میں ان کے نزدیک امیر اور غریب دونوں یکساں تھے۔ ان کی حکومت میں کوئی غریب سے غریب شخص بھی اپنا حق کسی بڑے سے بڑے آدمی سے نہایت آسانی سے وصول کر لیتا تھا۔

دوسری یہ کہ ان کی رعایا کو ان پر پورا اطمینان تھا۔ لوگ اپنے معاملات کے فیصلہ کے لیے بے جھجک ان کے پاس پہنچ جاتے۔ یہاں تک کہ اگر کسی سبب سے پہرے دار مانع ہوتے تو بعض اوقات لوگ دیوار پھاند کر ان کے پاس جا پہنچتے؛ اپنے معاملات نہایت جرأت کے ساتھ پیش کرتے اور وہ نہایت تحمل کے ساتھ ان کے قضیوں کا فیصلہ کرتے اور اس بات سے مطلق کبیدہ خاطر نہ ہوتے کہ لوگوں نے ان کے آرام میں خلل ڈالا، یا ان کو خطاب کرنے میں ان کے ادب کو ملحوظ نہیں رکھا، یا ان کے حاجبوں اور پہرہ داروں کی کوئی پروا نہیں کی۔

تیسری یہ کہ وہ جس قانونِ عدل کی روشنی میں دوسروں کے معاملات کے فیصلے کرتے اسی کی روشنی میں خود اپنے معاملات کا بھی برابر جائزہ لیتے رہتے۔ اگر کسی گوشے میں کوئی خفیف سے خفیف انحراف بھی ان کو محسوس ہوتا تو وہ فوراً اپنے رب سے استغفار اور اس غلطی کی اصلاح کرتے ـــ یہ اصولی باتیں سامنے رکھتے ہوئے اب اصل واقعہ کے اجزا پر غور کیجیے۔

'هَلْ أَتَاكَ' کے اسلوبِ خطاب سے واقعہ کی اہمیت کا بھی اظہار ہو رہا ہے اور اس میں مخاطب کے لیے فی الجملہ تشویق و ترغیب بھی ہے۔ مخاطب ضروری نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں بلکہ واحد کا خطاب، جیسا کہ وضاحت ہو چکی ہے جمع کے لیے بھی آتا ہے۔

لفظ 'خصم' کسی مقدمہ کے فریقوں کے لیے آتا ہے۔ یہ واحد و جمع دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔

'إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ'۔ 'تَسَوُّر' کے معنی دیوار پر چڑھنے کے ہیں۔ یہاں عربیت کے قاعدے کے مطابق، یہ لفظ 'دخلوا' کے مفہوم پر متضمن ہے۔ یعنی تسوروا الجدار ودخلوا المحراب۔ 'محراب' سے حضرت داؤدؑ کے محل کا کوئی کمرہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور خود محل بھی۔ عربی میں بسا اوقات جزو بولتے اور اس سے کل مراد لیتے ہیں۔

واقعہ کی نوعیت

واقعہ کی نوعیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک جھگڑے کے دونوں فریقوں نے، اپنے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ، کسی ایسے وقت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لیے حاضر ہونے کی کوشش کی جو ان کے فصلِ مقدمات کا نہیں بلکہ آرام یا عبادت کا وقت تھا۔ صدر دروازے پر پہرہ داروں نے ان کو ناوقت محل کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی ہو گی لیکن وہ اس سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ پہرہ داروں کی نظر بچا کر کسی دوسری طرف سے چاردیواری پھاند کر محل میں جا گھسے۔ ایک عظیم حکمران کے محل میں اس طرح جا گھسنا اگرچہ ایک نہایت سنگین اقدام تھا جس کی سزا عام حالات میں نہایت سخت ہے، لیکن انھیں چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حلم پر پورا بھروسہ تھا اس وجہ سے وہ یہ جسارت کر گزرے۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ (۲۲)

ان کے اس طرح داخل ہونے سے حضرت داؤد علیہ السلام پر گھبراہٹ طاری ہونا ایک امرِ فطری تھا۔ چنانچہ وہ گھبرا گئے کہ شاید ڈاکو یا ان کے دشمن، پہرہ داروں کی نظریں بچا کر، محل کے اندر گھس آئے ہیں لیکن داخل ہونے والوں نے ان کو اطمینان دلایا کہ ہم دشمن نہیں ہیں اس وجہ سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں بلکہ ہم ایک مقدمہ کے دونوں فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر تعدی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور فیصلہ میں کوئی طرفداری اور ناانصافی نہ کیجیے بلکہ ہماری رہنمائی عدل کی صراطِ مستقیم کی طرف کیجیے۔

اگرچہ ان لوگوں کی مداخلت بالکل ناوقت تھی اور اس کے لیے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بھی نہایت بھونڈا اختیار کیا، گفتگو کا انداز بھی، جیسا کہ 'لَا تُشْطِطْ' کے لفظ سے ظاہر ہے، نہایت ناشائستہ تھا لیکن وہ اپنے حکمران کے مزاج سے اچھی طرح آشنا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خواہ کتنے ہی غلط طریقے اور کتنے ہی ناوقت ہم حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچیں، لیکن ہم پہنچ گئے اور ان کے علم میں یہ بات آ گئی کہ ہم طلبِ انصاف کے لیے آئے ہیں تو، وہ ہماری جسارتوں سے درگزر کرتے ہوئے اسی وقت ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیں گے۔ چنانچہ ان کی یہ توقع سو فی صد پوری ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب اطمینان ہو گیا کہ یہ لوگ مقدمے کے آئے ہیں تو وہ اسی وقت اس کے فیصلہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کی ان جسارتوں کا انھوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔

حضرت داؤدؑ اور حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ کے حالاتِ زندگی پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ ٹھیک یہی حال ان کا بھی تھا۔ ان کا دروازہ حاجتمندوں کے لیے کسی وقت بھی بند نہیں تھا۔ راستہ چلتے ہوئے معمولی معمولی لوگ ان کا ہاتھ پکڑ لیتے، نہایت بیباکی بلکہ بعض اوقات گستاخی کے ساتھ، ان کے سامنے اپنی ضرورتیں پیش کرتے، وہ ان کی باتیں نہایت حلم اور توجہ کے ساتھ سنتے اور بلا تاخیر ان کی حاجت برآری کرتے۔

إِنَّ هَٰذَآ أَخِى لَهُۥ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِىَ نَعْجَةٌ وَٰحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِى فِى ٱلْخِطَابِ (۲۳)

اصل قضیہ کی تفصیل

یہ اصل جھگڑے کی تفصیل ہے جو مظلوم فریق نے پیش کی۔ اس نے دوسرے فریق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اپنی دنبی بھی اس کے حوالے کردوں۔ اس کے لیے یہ مجھ سے جھگڑتا ہے اور جھگڑے میں یہ مجھ پر غالب آگیا ہے۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ اس زمانے میں اس علاقہ کی اصلی دولت بھیڑوں اور دنبیوں ہی سے عبارت تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی بھی بادشاہی سے پہلے بھیڑ سالے اور بھیڑوں کے چرانے ہی میں گزری ہے۔ تاریخوں سے یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے سکہ پر تصویر بھی دنبی کی تھی اور اس کو نعجہ کہتے بھی تھے۔ یہ بات اگر صحیح نہ بھی ہو جب بھی ملکیت اور مال کی تعبیر کے لیے یہ لفظ اس زمانے میں معروف رہا ہے۔

'عَزَّنِى فِى ٱلْخِطَابِ' میں لفظ خطاب، بحث وجدال کے مفہوم میں ہے۔ چونکہ وہ دولت مند آدمی تھا اور دولت مند کو حامی بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں اس وجہ سے اس نے دوسروں کو ہم خیال بنا کر غریب آدمی کو دبا لیا ہوگا۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِۦ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْخُلَطَآءِ لَيَبْغِى بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُۥدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ فَٱسْتَغْفَرَ رَبَّهُۥ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۲۴)

لفظ 'سؤال' یہاں مطالبہ کے مفہوم میں ہے۔ اس مفہوم کے لیے اس کا استعمال معروف ہے۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ اس کے بعد 'الیٰ' کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ لفظ یہاں 'ضم' یا 'خلط' کے مفہوم پر متضمن ہے۔

حضرت داؤدؑ کا فیصلہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے مقدمہ کی رُوداد سنتے ہی اندازہ فرما لیا کہ زیادتی دولت مند کی ہے اور پھر بے رو رعایت یہ فیصلہ سنا دیا کہ اس شخص نے تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا لینے کا مطالبہ کر کے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے اور ساتھ ہی یہ ریمارک بھی دے دیا کہ اکثر شرکائے معاملہ اپنے ننانوے کو سو بنانے کی

فکر میں اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔ صرف وہی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کی روش پر گامزن ہیں اور اس طرح کے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ 'قلیل' کے ساتھ 'ما' کے اضافہ نے اس کے اندر مبالغہ کا مفہوم پیدا کر دیا ہے۔

حضرت داؤدؑ کا تنبہ

'وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ'۔ اب یہ حضرت داؤدؑ کی خاص صفت اوّابیت اور انابت کی طرف توجہ دلائی کہ وہ ایک بادشاہ ہونے کے باوجود دنیا داروں کی طرح کسی گھمنڈ اور استکبار میں مبتلا نہیں تھے بلکہ اپنے رب سے ڈرنے والے بندے تھے اس وجہ سے اس واقعہ کی روشنی میں انھوں نے خود اپنے حالات کا فوراً جائزہ لیا اور اپنی ایک کمزوری پر شرمسار ہو کر اپنے رب کے آگے استغفار و توبہ کے لیے سجدے میں گر پڑے۔

یہ کمزوری کیا تھی؟ قرآن نے اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ یہ معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے رب کے درمیان کا ایک راز ہے اس وجہ سے کسی کو اس کی کھوج کرید کا حق بھی نہیں ہے۔ 'اَنَّمَا فَتَنّٰهُ' کے الفاظ سے صرف یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے ساتھ ہی حضرت داؤد علیہ السلام چوکنے ہوتے کہ اسی سے ملتے جلتے ہوئے امتحان میں وہ خود بھی مبتلا ہیں۔ اگر کوئی شخص اس امتحان کو کسی واقعہ کی شکل دینے پر مصر ہی ہو تو حضرت داؤد علیہ السلام کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ چاہے تو یہ فرض کر سکتا ہے کہ جس طرح بادشاہوں کو کسی شخصی یا اجتماعی ضرورت سے دوسروں کی کسی ملکیت سے تعرض کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اسی طرح کی کوئی ضرورت حضرت داؤدؑ کو بھی پیش آئی۔ عام بادشاہ تو اس طرح کے معاملات میں کسی کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ وہ اپنے قصر و ایوان کی سڑک سیدھی رکھنے کے لیے بے دریغ غریبوں کے جھونپڑوں پر بُل ڈوزر پھروا دے سکتے ہیں لیکن حضرت داؤد علیہ السلام ایک خدا ترس بادشاہ تھے وہ اس طرح کا کوئی اقدام نہیں کر سکتے تھے اور اگر ان کے دل میں کسی کی ملکیت سے تعرض کرنے کی کوئی خواہش رہی ہوگی تو اس واقعہ سے متنبہ ہو کر اس سے بھی تائب ہو گئے اور ایک صحیح الفطرت انسان کی اصلی خوبی یہی ہے کہ وہ دوسروں کے واقعات سے خود اپنے لیے سبق حاصل کرے اور اگر اس کے اندر کوئی غلط خواہش پیدا ہوئی ہے تو اپنے رب سے معافی مانگے۔ قرآن کے الفاظ سے جو بات نکلتی ہے وہ تو زیادہ سے زیادہ اسی حد تک جاتی ہے۔ رہے مزخرف قصے جو تفسیر کی بعض کتابوں میں نقل ہوئے ہیں تو ان کی نسبت ہماری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معاف کرے جو اپنی کتابوں میں ان کو نقل کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

'وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ' میں رکوع اور سجدہ دونوں مراد ہیں۔ رکوع کا ذکر تصریح کے ساتھ موجود ہی ہے اور لفظ 'خَرَّ' سجدہ پر دلیل ہے۔ 'اَنَابَ' دل کے رجوع کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ رکوع اور سجدہ خدا کی طرف انابت کی طرف صرف ظاہری دلیل ہیں۔ ان کے اندر اصلی روح دل کی انابت سے پیدا

ہوتا ہے۔

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (۲۵)

توبہ آدمی کے مرتبہ کو اور بڑھا دیتی ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے اس تنبّہ اور استغفار کے بعد ان کی غلطی معاف فرما دی اور چونکہ ہر سچی توبہ آدمی کے مرتبہ کو پہلے سے زیادہ بڑھا دیتی ہے اور ہر رجوع الی اللہ سے اس کو مزید قرب حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے ان کے مراتب میں اللہ کے ہاں اضافہ ہوا۔

يٰدَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (۲۶)

حضرت داؤد کو ہدایت

مذکورہ بالا تنبیہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے توبہ و استغفار کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت واضح الفاظ میں یہ ہدایت فرمائی کہ اے داؤد، میں نے اپنی طرف سے کچھ اختیار و اقتدار دے کر تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو اس خلافت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس اختیار و اقتدار کو اپنے مستخلف کی مرضی کے مطابق استعمال کرو اور لوگوں کے درمیان حق و عدل کے ساتھ فیصلہ کرو اور کبھی اپنی خواہشوں کے پیچھے نہ لگو ورنہ وہ تمھیں حق و عدل کی راہ سے ہٹا دیں گی۔ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستہ سے ہٹ جائیں گے وہ آخرت فراموشی کے جرم میں شدید عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

یہ ہدایت جو حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمائی گئی یہی ہدایت دنیا کے تمام حکمرانوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے۔ جس کو بھی کوئی اختیار و اقتدار ملتا ہے وہ خدا ہی کے دیے ملتا ہے اور اس کی بابت ہر شخص قیامت کے دن جوابدہ ہوگا کہ اس نے اس کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کیا یا اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔ پھر جس نے بھی اس روزِ حساب کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہوگی وہ اس انجام سے دوچار ہوگا جو اوپر مذکور ہوا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ (۲۷)

روزِ حساب کی ضرورت

حضرت داؤد علیہ السلام کی سرگزشت ختم کرنے کے بعد یہ مخاطبوں کی طرف التفات ہے۔ ان کے سامنے یہ حقیقت واضح فرمائی گئی کہ یہ کیوں ضروری ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں ہر شخص اپنے رب کے سامنے مسئول ہو کہ اس نے خدا کے بخشے ہوئے اختیار کو صحیح استعمال کیا یا غلط؟ فرمایا کہ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر ایک ایسا روزِ حساب نہ آئے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دنیا ایک بالکل باطل کارخانہ اور ایک کھلنڈرے کا کھیل ہے جس میں نیکی اور بدی، خیر و شر اور حق و باطل میں کوئی امتیاز ہی نہیں ہے۔ فرمایا کہ ہم نے اس دنیا کو باطل نہیں پیدا کیا ہے بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس حق کے ظہور کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے جس میں ہر شخص اپنی نیکی کا صلہ پائے گا اور جس نے بدی کی کمائی کی ہوگی وہ اس کی سزا

بھگتے گا۔

ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا، یعنی اس دنیا کو بازیچۂ اطفال وہ سمجھتے ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ اور اس دنیا میں چونکہ لازم نہیں کہ باطل پر سزا ملے یا نیکی پر انعام اس وجہ سے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اس کے خالق کے نزدیک نیکی اور بدی میں سرے سے کوئی امتیاز ہی نہیں ہے۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ النَّارِ۔ فرمایا کہ جو لوگ آخرت کے منکر اور جزا و سزا سے بے پروا ہیں وہ دوزخ کی ہلاکی سے دوچار ہوں گے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ (۲۸)

یہ سوال باندازِ تعجب ہے کہ جو لوگ آخرت اور جزا و سزا کو نہیں مانتے ہیں کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ہم ایمان و عملِ صالح کی روش اختیار کرنے والوں اور زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو برابر کر دیں گے یا خدا سے ڈرنے والوں اور نافرمانوں کے ساتھ ہمارا معاملہ یکساں ہوگا؟ یعنی آخرت کو نہ ماننے کا بدیہی نتیجہ یہی سامنے آتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کا ایک حکیم و رحیم اور قادر و عزیز خدا کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حقیقت سیدنا مسیح علیہ السلام نے تاکستان والی تمثیلوں میں مختلف اسلوبوں سے سمجھائی ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک آقا اپنے تاکستان کی نگرانی پر اپنے غلاموں کو مقرر کرے جن میں سے بعض تو اس کے تاکستان کے اندر دھاندلی مچائیں اور کچھ ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض بجا لائیں اور آقا دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے؟ اگر کوئی آقا ایسا کرے تو ماننا پڑے گا کہ وہ یا تو بالکل بے بس اور بے خبر ہے یا نہایت ہی احمق اور ناانصاف — اور یہ دونوں ہی باتیں ایسی ہیں جن سے اللہ جل شانہٗ بالکل پاک ہے۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲۹)

قرآن کا مقصد

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انہی حقائق کی یاد دہانی کے لیے ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب اتاری ہے اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جو دلوں کے لیے زندگی بخش ہے اور اس کے اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ جن کے اندر عقل ہے وہ اس کی آیات پر غور کریں اور ان سے یاد دہانی حاصل کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو اس نے لوگوں پر فرمایا ہے بشرطیکہ وہ گھمنڈ اور مخاصمت کی روش ترک کر کے اس نعمت کی قدر کریں۔ یہ اسی مضمون کا دوسرے الفاظ میں اعادہ ہے جو پہلی آیت میں گزر چکا ہے۔

۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۳۰۔ ۴۰

آگے حضرت داؤدؑ کے نامور فرزند حضرت سلیمانؑ کے بعض واقعاتِ زندگی کا حوالہ دے کر واضح فرمایا ہے کہ وہ بھی ٹھیک ٹھیک اپنے باپ ہی کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے مثال عظمت و

توانت عطا فرمائی میلن وہ کبر و غرور میں مبتلا ہو کر زمین میں فساد برپا کرنے والے نہیں بنے بلکہ جو قدم بھی وہ اٹھاتے اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اٹھاتے اور اگر کوئی ادنیٰ فروگزاشت بھی ہو جاتی تو فوراً توبہ و استغفار کے لیے اپنے رب کے آگے گر پڑتے۔ یہ واقعات بھی قریش کے لیڈروں کو تذکیر و تنبیہ کے لیے سنائے گئے ہیں ـــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۰ ـ ۴۰

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيٰطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٩﴾ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٠﴾

ع ۳ ۱۲

ترجمہ آیات ۳۰ ـ ۴۰

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ وہ خوب بندہ تھا۔ بے شک وہ خدا کی طرف بڑا ہی رجوع ہونے والا تھا! ۳۰

ایک دن شام کو اس کے ملاحظہ کے لیے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ یہ تو مال کی محبت میں لگ کر، میں اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا۔ ان کو میرے سامنے واپس لاؤ۔ تو وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار مارنے لگا۔ ۳۱ ـ ۳۳

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ہم نے اس کے تخت پر ایک دھڑ کی طرح ڈال دیا۔ پھر اس نے رجوع کیا۔ اس نے دعا کی کہ میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور مجھے ایسی سلطنت بخش جو

میرے سوا کسی کے لیے زیبا نہیں۔ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی خدمت میں لگا دیا ہوا کو جو اس کے حکم سے سازگار ہو کر چلتی جہاں کہیں کا وہ قصد کرتا۔ ۳۴-۳۶

اور سرکش جنوں کو بھی اس کے لیے مسخر کر دیا۔ نہایت ماہر معماروں اور غوطہ خوروں کو۔ اور دوسرے جنوں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے رہتے۔ ۳۷-۳۸

یہ ہماری بے حساب بخشش ہے تو چاہو اس کو بخشو یا روکو۔ اور بے شک اس کے لیے ہمارے پاس خاص قرب اور بہترین مرجع ہے۔ ۳۹-۴۰

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (۳۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر، حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف انتساب کے ساتھ، اس طرح یہاں آیا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کی نیکیوں کے انعام کے طور پر ملے تھے۔

بندہ کا اصل کمال اس کی عبدیت ہے

'نِعْمَ الْعَبْدُ' یہ اس عظیم فرزند کی سب سے بڑی خوبی بیان ہوئی ہے کہ وہ خوب بندہ تھا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان تمام خوارق و عجائب میں سے جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں، کسی چیز کا ذکر یہاں نہیں ہوا۔ اگر ذکر ہوا تو ان کے کمال عبدیت کا ذکر ہوا۔ بندے کی اصلی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے رب کا ایسا بندہ بن جائے کہ اس کا رب بھی شہادت دے کہ 'خوب بندہ ہے!' اگر یہ کمال اس کو حاصل ہے تو دوسرے تمام کمالات اسی کی برکات میں سے ہیں اور اگر یہ چیز حاصل نہیں تو کسی کو خاتم سلیمان بھی حاصل ہو جائے تو اس کی عنداللہ کوئی قیمت نہیں۔

عبدیت کا اصل جمال اوابیت ہے

'اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ' یہی صفت بعینہٖ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بھی اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی اس صفت میں بیٹا اپنے باپ کا ہو بہو عکس تھا۔ 'عبدیت' کا اصلی جمال 'اوابیت' میں ہے یعنی بندے کا دل ہر وقت خدا کی طرف متوجہ رہے اور اگر کبھی کسی سبب سے ذرا بھی غفلت ہو جائے تو اس طرح ٹوٹ کر اپنے رب کی طرف گرے کہ برسوں کی منزل منٹوں میں طے کرے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہی ادا سب سے زیادہ پسند ہے۔ گناہ سے آدمی جتنا کھوتا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ اس سے پا لیتا ہے اگر وہ سچے دل سے گناہ کے بعد توبہ کر لیتا ہے۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۝
حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (۳۱-۳۳)

حضرت سلیمانؑ کی اوابیت کی ایک مثال

جس طرح اوپر حضرت داؤد علیہ السلام کی اوابیت کی مثال بیان ہوئی ہے اسی طرح یہ حضرت سلیمانؑ کی 'اوابیت' کی مثال بیان ہو رہی ہے۔ پہلے واقعہ کی اصلی صورت سادہ الفاظ میں سمجھ لیجیے، اس کے بعد اجزائے کلام پر تحقیقی نگاہ ڈالیے۔

الفاظِ قرآن کی روشنی میں واقعہ کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی دن سہ پہر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصیل گھوڑوں کا دستہ 'پریڈ کی شکل میں' ان کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا گیا۔ گھوڑے زیادہ تھے اور کام دلچسپ تھا اس وجہ سے وہ اس میں اس طرح منہمک ہو گئے کہ سورج چھپ گیا اور عصر کی نماز رہ گئی۔ جب ان کو نماز کا خیال آیا تو اس حادثہ کا ان کو اتنا شدید قلق ہوا کہ یارائے ضبط نہیں رہا۔ ان کو خیال ہوا کہ یہ دنیا کی محبت تھی جس میں پڑ کر انھوں نے خدا کی یاد سے غفلت کی اور پھر غلبۂ حال سے اس طرح مغلوب ہو گئے کہ فوراً گھوڑوں کو دوبارہ طلب فرمایا اور ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر تلوار مارنے لگے کہ انہی کی محبت ان کے لیے خدا سے غفلت کا باعث ہوئی۔

یہ ایک غلبۂ حال کی صورت ہے جس میں محرک نہایت اعلیٰ ہے اس وجہ سے بجائے خود یہ قابلِ تعریف چیز ہے لیکن اس طرح کے غلبۂ حال میں شریعت کے صحیح نقطۂ اعتدال سے چونکہ آدمی متجاوز ہو سکتا ہے اس وجہ سے دین میں یہ چیز مستند نہیں ہے۔ یہ اسی طرح کی ایک خاص حالت ہے جس طرح کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر حضرت عمرؓ مبتلا ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے آیاتِ قرآن کے حوالہ سے، انھیں متنبہ کیا تب وہ متنبہ ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی از خود متنبہ ہو گئے ہوں یا اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ فرما دیا ہو اگرچہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہاں ان کے اس اقدام کا ذکر ان کے جوشِ انابت اور غلبۂ اوابیت کے اظہار کے لیے ہوا ہے۔ اور اس پہلو سے بلاشبہ یہ ایک شاندار واقعہ ہے۔

'اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ'۔ 'صَافِنَاتٌ' ایک خاص اصیل نسل کے گھوڑوں کو کہتے ہیں اور 'جیاد' اچھے گھوڑوں کی عام صفت کے طور پر آتا ہے۔ یعنی یہ گھوڑے اپنی نسل کے اعتبار سے بھی اچھے تھے اور اپنی صفات کے اعتبار سے بھی۔ تورات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان گھوڑوں کی تفصیل موجود ہے۔

'فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۝ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ'۔ 'اَحْبَبْتُ' یہاں اعراض یا غفلت کے مضمون پر متضمن ہے اور حرف 'عن' اس کا قرینہ ہے۔

'تَوَارَتْ' کا فاعل 'الشَّمْس' یہاں محذوف ہے۔ عربی میں معروف و مشہور چیزوں کے لیے فعل بھی

اس طرح لاتے ہیں اور ضمیریں بھی۔ فاعل یا مرجع کو قرینہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ یہاں لفظ 'عشی' کی وجہ سے قرینہ واضح تھا اس وجہ سے فاعل کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

دین میں نماز کی اہمیت

'فَقَالَ' سے پہلے یہاں اتنی بات بربنائے قرینہ محذوف ہے کہ وہ اس پریڈ کے ملاحظہ میں ایسے مستغرق ہوئے کہ عصر کی نماز جاتی رہی۔ پھر جب متنبہ ہوئے تو کہا کہ میں نے مال کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دی یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور نمازِ عصر سے میں محروم رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ کلمہ انھوں نے اظہارِ رنج و غم کے طور پر فرمایا۔ اگرچہ یہ گھوڑے جنگ و جہاد کے گھوڑے تھے اور جس کام میں وہ معروف رہے وہ بھی جہاد ہی کے سلسلہ کا ایک کام تھا لیکن نماز چونکہ دین میں اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے اس وجہ سے مجبوری کے سوا کوئی اور چیز اس سے غفلت کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔

عصر کی نماز یہود کے ہاں بھی تھی

'ذِکْرِ رَبِّیْ' سے مراد قرینہ دلیل ہے کہ عصر کی نماز ہے۔ اس لئے کہ 'عشی' یعنی سہ پہر میں غروب آفتاب سے پہلے عصر ہی کی نماز ہو سکتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیا یہود کے ہاں بھی عصر کی نماز تھی؟ تو اس آیت سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ سہ پہر میں غروب آفتاب سے پہلے پہلے ان کے ہاں بھی کوئی نماز تھی۔ اگر تورات میں اس کی تفصیل نہیں ملتی تو اس سے کچھ فرق نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ قرآن نے صریح الفاظ میں ان کو اس جرم کا مجرم ٹھہرایا ہے کہ انھوں نے نماز برباد کر دی[1]۔ نماز کے یہ اوقات جو اسلام نے مقرر کیے ہیں ایسے فطری اور عقلی ہیں کہ دل گواہی دیتا ہے کہ نماز کے یہی اوقات دوسرے ادیان میں بھی تھے، لیکن امتوں نے ان میں اختلاف کر کے ان کو ضائع کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ عصر ہی کی نماز کے معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو غزوۂ خندق کے موقع پر آزمائش پیش آئی۔ 'صلوٰۃ وسطیٰ' کے تحت ہم نمازِ عصر کی اہمیت کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

'رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ'، ضمیر مفعول کا مرجع 'الصافنات الجیاد' یعنی گھوڑے ہیں۔ لفظ 'مسح' 'قتل کرنے' کے معنی میں بھی معروف ہے۔ اور 'مسحا' فعل محذوف کی تاکید کے لیے ہے یعنی 'یَمْسَحُ مَسْحًا'۔

غلبۂ حال کے واقعات رد کر دینے کے لیے سند نہیں ہوتے

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس اقدام کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے اسی شدید تاثر اور مغلوبیتِ حال کی حالت میں کیا۔ انھوں نے فوراً حکم دیا کہ یہ گھوڑے پھر ان کے سامنے حاضر کیے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے جب اپنے تھانوں پر واپس جا چکے تھے تب حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس احساس کا غلبہ ہوا کہ یہی گھوڑے ان کے لیے خدا سے غفلت کا باعث ہوئے۔ چنانچہ ان کو پھر واپس لانے کا حکم دیا اور ان کی پنڈلیوں

---

[1] چنانچہ یہود ہی کے متعلق فرمایا ہے کہ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ۔ (مریم ۱۹: ۵۹)

اور گردنوں پر تلوار مارنے لگے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک غلبۂ حال کی صورت ہے۔ لفظ 'طفق' اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آیت سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کچھ ہاتھ چلائے؛ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے تمام گھوڑوں کو ختم کر دیا اور ایسا کرنا ممکن بھی نہیں تھا اس لیے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ غالباً انھوں نے کچھ ہاتھ چلائے اور پھر متنبہ ہو کر اس سے باز آ گئے ہوں گے۔ چونکہ یہ واقعہ ان کی انابت اور اوابیت کا ایک یادگار واقعہ ہے اس وجہ سے قرآن نے اس کا ذکر کیا ورنہ یہ واقعہ ہے اسی نوعیت کا جس کا صدور حضرت عمر فاروقؓ سے ہوا جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ غلبۂ حال کے واقعات دوسروں کے لیے سند نہیں ہوتے اس وجہ سے جن صوفیوں نے اس سے گریبان تار تار کرنے کا جواز نکالا ہے انھوں نے محض صوفیانہ نکتہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (۳۴-۳۵)

حضرت سلیمانؑ کی انابت کا ایک دوسرا واقعہ

یہ حضرت سلیمانؑ کی انابت کا دوسرا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اس واقعہ کی شکل بھی تفسیر کی کتابوں میں چونکہ بہت بدنما بنا دی گئی ہے اس وجہ سے اس کو بھی پہلے سادہ الفاظ میں سمجھ لیجیے، اس کے بعد الفاظِ قرآن پر غور فرمائیے۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ سخت امتحان پیش آیا کہ دشمنوں نے یورش کر کے ان کے بیشتر علاقے چھین لیے اور باقی علاقوں میں بھی ایسی گڑبڑ پھیلا دی کہ نظمِ حکومت عملاً بالکل درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ ان کی تاخت سے صرف مرکز بچا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام بالکل مجبور و محصور ہو کر رہ گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام ایک خدا ترس بادشاہ تھے اس وجہ سے انھوں نے یہ گمان فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی غلطی کی سزا دی ہے۔ اس احساس نے ان کے غم کو دوبالا کر دیا اور وہ اس غم اور بے بسی کی حالت میں اپنے تختِ حکومت پر ایک جسدِ بے جان ہو کر رہ گئے۔ اس وقت انھوں نے نہایت تضرع کے ساتھ اپنے رب سے دعا کی کہ اے رب، میرے گناہ معاف کر اور اگرچہ میں تیرے فضل و انعام کا حق دار نہیں رہ گیا ہوں لیکن تو بڑا بخشنے والا ہے اس وجہ سے میرے عدمِ استحقاق کے باوجود مجھے ایسی بادشاہی دے جس کے سزاوار اس طرح کے گناہ کے ساتھ دوسرے نہ ہوتے ہیں، نہ ہوں گے۔

حضرت سلیمانؑ کا امتحان

'وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ': یعنی ہم نے سلیمانؑ کو امتحان میں ڈالا۔ یہ امتحان اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ ضروری نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جرم ہی کی سزا کے طور پر امتحان میں ڈالے گئے ہوں۔ امتحان تمام نبیوں اور رسولوں کو پیش آئے ہیں جس سے ان کے صبر یا شکر کی آزمائش ہوتی ہے۔ اسی طرح

حضرت سلیمانؑ کے غم و الم اور ان کا بے بسی کی تصویر

کے ایک امتحان میں حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ڈالے گئے اور چونکہ وہ ایک بادشاہ تھے اس وجہ سے ان کو یہ امتحان ان کی بادشاہی کی راہ سے پیش آیا۔

'وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا' یہ نہایت مختصر لیکن نہایت جامع لفظوں میں اس امتحان کا بیان ہے کہ کہاں تو وہ ایک وسیع الاطراف حکومت کے نہایت طاقتور اور صاحب اقتدار بادشاہ تھے یا ہم نے ان کو ان کے تخت پر ایک بالکل جسدِ بے جان بنا کر ڈال دیا۔ لفظ 'جَسَد' یہاں بطور کنایہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے بسی اور ان کے غم و الم کی تصویر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حکومت سمٹ سمٹا کر مرکز تک محدود رہ گئی اور حالات نے ان کو اس قدر بے بس اور غم زدہ بنا دیا کہ گویا صرف جسم رہ گیا، روح غائب ہو گئی۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ایک بے بس اور غمزدہ بادشاہ کی، جو اپنے مرکز میں محصور ہو کر رہ گیا ہو، اس سے بہتر تصویر نہیں ہو سکتی۔

'ثُمَّ أَنَابَ' یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے حالات میں بھی اپنے رب سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ ان کو احساس ہوا کہ یہ ان کی کسی غلطی پر ان کی پکڑ ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ اسی کی طرف توبہ و استغفار کے لیے متوجہ ہوئے۔

حضرت سلیمانؑ کی دعا اور اس کا صحیح مدعا

'قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ' اس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تو مجھے ایسی بادشاہی دے جیسی بادشاہی میرے بعد کسی اور کو نہ ملے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ تھا کہ اگرچہ میں اپنے گناہ کے سبب سے کسی حکومت کا اہل تو نہیں رہ گیا ہوں تاہم تو اپنے فضل سے مجھے ایسی بادشاہی دے جس کا سزاوار نہ میں ہوں نہ میرے بعد کوئی اور ہو گا۔

'إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ' یعنی تو بڑا بخشنے والا ہے۔ اس وجہ سے میں بھی، اپنی غلطیوں کے باوجود، امیدوار ہوں کہ تو مجھے محروم نہیں فرمائے گا۔

اس دعا میں اصلی زور بادشاہی کی بے مثال عظمت و شوکت پر نہیں بلکہ بلا استحقاق بادشاہی دیے جانے پر ہے کہ مجھے میرے گناہوں کے باوجود بادشاہی دے جب کہ میرے بعد کوئی اور اس کا سزاوار نہیں ٹھہرے گا۔ اس دعا میں اپنے گناہ کا جو شدید احساس ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی غایت خشیت و انابت کی دلیل ہے۔ خدا ترس حکمرانوں نے ہمیشہ اپنے ملک میں آنے والی ہر آفت کو اپنی ہی کوتاہیوں کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق روایتوں میں آتا ہے کہ ان کے زمانۂ حکومت میں ایک مرتبہ قحط پڑا، جو عام الرمادہ کے نام سے مشہور ہے، تو حضرت عمرؓ کا پورے زمانۂ قحط میں یہ حال رہا کہ شب کی نمازوں میں روتے روتے اپنی ڈاڑھی تر کر لیتے اور دعا فرماتے کہ اے رب! امتِ محمدؐ میرے ہاتھوں تباہ نہ ہو!

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (۳۶)

امتحان میں کامیابی کے بعد حضرت سلیمانؑ کی عظمت میں اضافہ

اس آیت کا اسلوب بیان اشارہ کر رہا ہے کہ مذکورہ بالا امتحان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہوا کہ اس نے ہوا پر بھی ان کو ایسا تصرف بخشا جو ان سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ سورۂ انبیاء اور بعض دوسری سورتوں کی تفسیر میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بحری قوت ان کے زمانہ کی سب سے بڑی بحری قوت اور ان کا بحری بیڑا اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ طاقتور بیڑا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوا کو کنٹرول کرنے کے لیے بادبانی نظام کو انھوں نے اتنی ترقی دی کہ ان کے جہازات ہر قسم کے سمندروں میں لمبے لمبے سفر کرتے اور ان کے سفر میں نہ ہوا کی کمی سے کوئی خلل پڑتا نہ اس کی شدت سے، وہ سخت سے سخت طوفانی ہواؤں کا بھی نہایت کامیابی سے مقابلہ کرتے اور موافق ہوا نہ ہونے کے باوجود اپنے سفر بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھتے۔ لوہے کی صنعت میں ترقی کر کے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی بری قوت ناقابل تسخیر بنا لی تھی اسی طرح بادبانی سسٹم کو ترقی دے کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بحری قوت میں بے مثال اضافہ کر لیا تھا۔

حضرت سلیمانؑ کا ہوا پر کنٹرول

'تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ'۔ 'اصاب' یہاں ہدف ٹھہرانے کے مفہوم میں ہے، جس طرح 'اَصَابَ السَّهْمُ' کا محاورہ ہے۔ یعنی اپنے جہاز بھیجنے کے لیے جس مقام کو وہ اپنا ہدف بناتے وہ بے روک ٹوک، فصل و موسم کا انتظار کیے بغیر، وہاں کے لیے روانہ ہو جاتے۔ اس لیے کہ ہوا ان کے کنٹرول میں تھی۔ وہ اپنے سفر کے لیے اس کو جب چاہتے سازگار بنا لیتے۔

وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۙ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۷-۳۸﴾

تسخیر جنات کا علم

ہوا کو کنٹرول کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک ایسا علم بھی دیا تھا جس سے وہ شریر جنوں کو مسخر کر کے ان کو اپنی تعمیرات کے کاموں میں بھی لگاتے اور سمندری دولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان سے غوطہ خوری بھی کراتے۔ 'شیاطین' سے مراد یہاں شیاطین جن ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صرف شریر جنوں ہی کو مسخر کرتے، صالحین سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ 'كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ' میں لفظ 'کل' میرے نزدیک صفت کی تاکید کے لیے ہے۔ یعنی وہ نہایت ماہر معماروں اور غوطہ خوروں کو مسخر کیے ہوئے تھے۔

'وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ' یعنی جنوں کی ایک پارٹی ریزرو فورس کی حیثیت سے بھی، زنجیروں میں قید، ان کے پاس موجود تھی کہ عند الضرورت ان سے کام لیا جا سکے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

'بِغَیْرِ حِسَابٍ' کا تعلق 'هٰذَا عَطَآؤُنَا' سے ہے۔ یعنی یہ عظیم نعمتیں تمہارے قیاس و گمان اور تمہاری امیدوں اور توقعات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ تم خواب و خیال میں بھی ان کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

اہل تاویل کی ایک غلط فہمی

'فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ' یہ ان کے اس اختیار کا بیان ہے جو ہر مالک کو اس کی ملکیت اور ہر بادشاہ

کو اس کی مملکت میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم چاہو تو اس کو لوگوں پر خرچ کرو اور چاہو تو اس پر مار گنج بن کر بیٹھ رہو، تم کو دونوں کا حق حاصل ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ آزادی اور اختیار تو تمھیں دونوں باتوں کے لیے حاصل ہے لیکن فیاضی کرو گے تو اس کا حق ادا کرو گے اور اس کا صلہ پاؤ گے اور اگر خزانے کے سانپ بن کر اس پر مسلط ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں، جس نے یہ سب کچھ تمھیں بخشا ہے، اپنا انجام دیکھو گے۔

یہ بالکل وہی بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمائی گئی جو ذوالقرنین کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں فرمائی گئی۔

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ہ (الکہف: ۸۶)

ہم نے کہا، اے ذوالقرنین! (ہم نے ان کو تمھارے اختیار میں دے دیا تو) اب چاہو ان کو سزا دو اور چاہو ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

جن لوگوں نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے کر لائسنس دے دیا تھا کہ وہ جو چاہیں کریں ان سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، انھوں نے بالکل غلط سمجھا ہے۔ دوسری باتوں سے قطع نظر اوپر آیت ۲۶ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو جو ہدایت ہوئی ہے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے، پھر غور فرمائیے کہ باپ کو یہ ہدایت دینے کے بعد بیٹے کو یہ کھلی چھٹی کس طرح دی جا سکتی ہے!

وَإِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (۴۰)

یعنی وہ کسی گھمنڈ اور استکبار میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ خدا سے ڈرنے اور اس کی طرف رجوع ہونے والے تھے اس وجہ سے ان کو اللہ کے ہاں خاص قرب اور بہترین مرجع حاصل ہوگا۔

۶۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۴۱ - ۶۴

آگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے پہلے چند انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے جن کو بڑی بڑی آزمائشیں پیش آئیں لیکن وہ ان سے دل برداشتہ اور مایوس نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے حالات کا صبر و عزیمت سے مقابلہ کیا، اپنی تکالیف میں اپنے رب ہی سے رجوع کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تکلیفیں دور فرما دیں اور ان کو اپنے فضل و انعام سے نوازا۔ پھر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین ٹھکانا اس کے متقی بندوں ہی کے لیے ہے۔ اس کے بعد متقیوں اور طاغیوں کے انجام کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۱-۶۴

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ أَيُّوبَ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ أَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ

وَعَذَابٍ ﴿٤١﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿٤٢﴾
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾
وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ
نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ
وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ
ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ
إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ
وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ
الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَ
شَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هَٰذَا مَا
تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾
هَٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾
هَٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾
هَٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾
قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾
قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾
وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ أَتَّخَذْنَاهُمْ
سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ

ع ۴ اَھْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

۱۳ ترجمہ آیات ۴۱-۶۴

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب کہ اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ شیطان نے مجھے سخت دُکھ اور آزار میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہم نے اس کو ہدایت کی کہ زمین پر اپنا پاؤں مار۔ یہ نہانے کا بھی ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا بھی۔ اور ہم نے اس کو بخشے اس کے اہل و عیال اور ان کے مانند ان کے ساتھ اور بھی، اپنا فضل کرنے اور اہلِ عقل کی یاد دہانی کے لیے۔ اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے اپنے کو مار لے اور اپنی قسم میں حانث نہ ہو۔ ہم نے اس کو نہایت صابر پایا۔ خوب بندہ! بے شک وہ بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ۴۱-۴۴

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت و بصیرت رکھنے والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک خاص شن ——— آخرت کی یاد دہانی ——— پر مامور کیا تھا اور وہ ہمارے ہاں برگزیدہ اور بہتر بندوں میں سے ہیں۔ ۴۵-۴۷

اور اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ اور ان میں سے ہر ایک اخیار میں سے ہے۔ ۴۸

یہ یاد دہانی ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اچھا ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ کے باغ جن کے دروازے ان کے لیے کھولے ہوئے ہوں گے۔ وہ اس میں ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اور بہت سے میوے اور شربات طلب کرتے ہوں گے اور ان کے پاس شرمیلی ہم سن حوریں ہوں گی۔ یہ ہے وہ چیز جس کی حساب کے دن کے لیے تم کو بشارت دی جاتی تھی۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ۴۹-۵۴

ایک طرف یہ ہے اور (دوسری طرف) سرکشوں کے لیے نہایت بُرا ٹھکانا ہو گا۔ یعنی جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے۔ پس کیا ہی بُری جگہ ہے! یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے۔ پس یہ لوگ

اس کو چکھیں اور اسی قبیل کی دوسری اور چیزیں بھی ہوں گی۔ ۵۵-۵۸

یہ بھیڑ بھی تمھارے ساتھ ہی جہنم میں پڑنے والی ہے۔ ان پر خدا کی مار! یہ تو دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔ وہ جواب دیں گے بلکہ تم، تم پر خدا کی مار! تمھی نے ہمارے لیے یہ سامان کیا۔ پس کیا ہی برا ٹھکانا ہو گا! وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! جن لوگوں نے ہمارے لیے اس کا سامان کیا ان کو دُگنا عذاب دیجیو، جہنم میں۔ ۵۹-۶۱

اور وہ کہیں گے، کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو ہم اشرار میں سے شمار کرتے تھے۔ کیا ہم نے ان کو محض مذاق بنا یا تھا یا ان سے نگاہیں چوک رہی ہیں! بے شک اہلِ دوزخ کی یہ باہمی تو تکار ایک امرِ واقعی ہے! ۶۲-۶۴

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ (۴۱)

حضرت ایوبؑ کا ابتلاء

حضرت ایوبؑ کے ابتلاء کی تفصیل سورۂ انبیاء کی تفسیر میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہاں صرف انہی چیزوں سے تعرض کریں گے جو خاص اس سورہ سے متعلق ہیں۔ بندے کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں وہ پیش تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتی ہیں لیکن ان کے پیش آنے میں ایک اہم عامل شیطان بھی ہوا کرتا ہے اس وجہ سے مشیت و قدرت کے پہلو سے وہ خدا کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور سبب کے پہلو سے شیطان کی طرف۔ اسی پہلو سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے دکھ اور آزار کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔ سفرِ ایوب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کو بڑی دولت و حشمت حاصل تھی لیکن اس کے باوجود وہ نہایت خدا ترس اور عبادت گزار بندے تھے۔ ان کی اس حالت پر شیطان اور اس کے ایجنٹوں کو بڑا حسد ہوا اور انھوں نے ان کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اگر ایوب دن رات خدا کی عبادت ہی میں لگے رہتے ہیں تو یہ کیا کمال ہوا، خدا نے جب اتنا مال و اسباب دے رکھا ہے تو عبادت نہ کریں تو اور کیا کریں، ہم تو جب جانیں جب خدا یہ ساری چیزیں ان سے چھین لے اور پھر بھی وہ اس کے عبادت گزار رہیں! بالآخر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے ان کو محروم کر دیا۔ نہ ان کے پاس مال کے قسم کی کوئی چیز باقی رہ گئی اور نہ اولاد و احفاد اور خدم و حشم باقی رہ گئے لیکن وہ اس عظیم مصیبت سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے حضور سجدے

میں گر پڑے اور فرمایا کہ میں اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا پیدا ہوا تھا اور اب ننگا ہی اپنے رب کے پاس جاؤں گا۔ سفرِ ایوب میں ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطان سے کہا کہ تو نے میرے بندے کو دیکھ لیا کہ سب کچھ چھن جانے کے بعد بھی وہ میرا ہی ہے۔ اس پر شیطان نے کہا کہ یہ مال و اولاد کا معاملہ تھا اس وجہ سے وہ صبر کر گیا۔ میں تو جب جانوں جب تو اس کو شدید قسم کے جسمانی آزاروں میں مبتلا کرے اور پھر بھی وہ تیرا عبادت گزار رہ جائے! چنانچہ اس کے بعد وہ ایسے شدید قسم کے جسمانی آزار میں مبتلا ہوئے کہ سفرِ ایوب میں اس کی تفصیل پڑھیے تو دل کانپ جاتا ہے لیکن اس کے بعد ان کی انابت اللہ کی طرف اور بڑھ گئی اور اس آزمائش میں بھی انھوں نے شیطان کو شکست دے دی۔ شیطان کی اس شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو اس سے کہیں زیادہ بخشا جو ان سے چھینا گیا تھا۔

یہ تفصیل سفرِ ایوب کی روشنی میں ہم نے اس لیے پیش کی ہے کہ حضرت ایوبؑ کی فریاد مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ کا صحیح پہلو سمجھ میں آ سکے کہ اس دنیا میں اپنے رب کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دینے کے لیے شیطان کے ہاتھوں ان کو کیا کیا دکھ جھیلنے پڑے ہیں اور کیسی شدید لڑائی انھوں نے اس کے ساتھ لڑی ہے۔

'نُصب' کے معنی تکان، دُکھ اور مصیبت کے ہیں اور عذاب سے مراد وہ اذیتیں ہیں جو جسمانی امراض کی نوعیت کی ان کو پہنچیں۔ ان دونوں لفظوں نے ان تمام مصائب کو سمیٹ لیا ہے جن میں وہ مبتلا ہوئے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (۴۲)

امتحان کے بعد حضرت ایوبؑ پر اللہ تعالیٰ کا فضل

اللہ تعالیٰ ایک خاص حد سے زیادہ اپنے بندے کو آزمائش میں نہیں ڈالتا۔ چنانچہ جب حضرت ایوبؑ کا امتحان پورا ہو گیا تو ان کی دعا بلا تاخیر قبول ہو گئی۔ ان کو کسی خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے ہدایت ہوئی کہ فلاں جگہ اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارو، وہیں ایک چشمہ جاری ہو جائے گا جو تمھارے نہانے کے لیے بھی نہایت ٹھنڈا ہے اور پینے کے لیے بھی۔ یہ ان کو علاج بتایا گیا ان جلدی امراض کا جن میں وہ مبتلا ہو گئے تھے اور جن کے سبب سے ان کا یہ حال تھا کہ دن رات راکھ کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ٹھیکروں سے اپنا سارا بدن کھجلاتے رہتے۔

پاؤں کی ٹھوکر سے اس طرح کسی چشمے کا جاری ہو جانا کوئی مستبعد بات نہیں ہے۔ ندیوں اور نالوں کے کنارے زمین کی بالائی سطح کے ذرا نیچے پانی کے سوتے دبے ہوتے ہیں جو ہاتھ یا پاؤں سے کریدنے پر فوراً جاری ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کے کسی سوتے کو حضرت ایوبؑ کے لیے شفا کا ذریعہ بنا دیا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۴۳)

جسمانی آزاروں سے نجات دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل و عیال بھی ان کو پھیر دیے اور ان کے ساتھ انہی کے برابر خدم و حشم بھی۔ اس ابتلاء کے دور میں ان کے آل و اولاد اور اقربا میں سے کچھ تو بچھڑ

گئے تھے، کچھ وفات پا گئے تھے۔ غلام اور خدام بھی سب تتر بتر ہو گئے تھے۔ آزمائش کا دور ختم ہونے کے بعد بچھڑے ہوئے اعزہ پھر مجتمع ہوئے، جو وفات پا چکے تھے اللہ نے ان کے بدل عنایت فرمائے اور مال کے ساتھ ساتھ خدم و حشم بھی ان کو پھر مل گئے۔

اس واقعہ کی عبرتیں اہل دانش کے لیے

'رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ' یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ اپنے ایک راستباز اور کامل العیار بندے پر اپنا فضل فرمائے اور اس لیے بھی کہ اللہ کا یہ معاملہ اہل عقل کے لیے یاد دہانی ہو۔

اہل عقل کی یاد دہانی کے اس میں کئی پہلو ہیں۔ مثلاً:

— یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی وفاداری کا امتحان کرتا ہے اور اس کے ہاں کامیابی انہی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے امتحان میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

— اس امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک حد مقرر ہے جس سے یہ متجاوز نہیں ہونے پاتا۔

— اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور انابت ہی اس امتحان میں وسیلۂ ظفر ہے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهٗ أَوَّابٌ (۴۴)

حضرت ایوبؑ کی ایک قسم اور اس کی ذمہ داری سے بریت

اس دورِ ابتلاء میں معلوم ہوتا ہے حضرت ایوبؑ کے دل میں کوئی ایسا خیال گزرا جو صبر اور انابت الی اللہ کے منافی تھا اس پر اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے انھوں نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنے آپ کو اتنے کوڑے ماروں گا۔ کوڑوں کی تعداد مذکور نہیں ہے۔ حضرت ایوبؑ کا یہ عہد اگرچہ ان کی خشیت اور محبت الٰہی کا نتیجہ تھا لیکن بندوں کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی ناروا مصیبت میں ڈالیں اگرچہ وہ خدا کی خوشنودی ہی کے لیے ہو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی ذمہ داری سے ان کو بری قرار دے دیا لیکن قسم کا معاملہ چونکہ دین میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسی پر تمام عہد و پیمان کی بنیاد ہے اس وجہ سے ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ جتنے کوڑے مارنے کی قسم کھائی ہے اتنے سینکوں کا ایک مٹھا لے کر اپنے کو مار لیں تاکہ رسمی طور پر قسم پوری ہو جائے اور دل پر قسم توڑنے کا بار نہ رہے۔

دین میں اس چیز کا اہتمام ہے کہ اگر کسی حکم کی تعمیل اس کی اصلی صورت میں متعذر ہو تو اس کی تعمیل تشبیہی صورت میں ضرور کی جائے تاکہ اس کی یاد قائم رہے۔ وضو نہ کر سکنے کی صورت میں تیمم، رکوع اور سجدہ نہ کر سکنے کی صورت میں اشارہ پر کفایت کرنے کی ہدایت اسی اصل پر مبنی ہے۔ کسی کفارہ کی ہدایت بھی ان کو ہو سکتی تھی لیکن اس وقت حضرت ایوب علیہ السلام نہ کوئی مالی کفارہ ادا کرنے کے قابل تھے نہ جسمانی۔ مال سے وہ بالکل محروم ہو چکے تھے اور بیماری نے اس طرح چور کر دیا تھا کہ روزے رکھنے کے قابل بھی نہیں رہ گئے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ خاص رعایت فرمائی۔

مفسرین نے عام طور پر یہ سمجھا ہے کہ قسم انھوں نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کی کھائی تھی لیکن قرآن

میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے اور قرینہ بھی اس کے خلاف ہے اس لیے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دورِ ابتلاء میں صرف ان کی بیوی ہی کی اکیلی ذات تھی جس نے رات دن حضرت ایوبؑ کی خدمت کی۔ ایسی وفادار بیوی پر یہ عتاب بعید از عقل ہے۔

فقہاء نے اس سے حیلۂ شرعی کا جواز بھی نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ موضوع ایک مستقل موضوع ہے۔ اس پر ہم ان شاءاللہ اس کے محل میں گفتگو کریں گے۔ یہاں بحث صرف آیت کے سیاق و سباق تک محدود رکھیے۔

'اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا' سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جس وسوسہ پر انھوں نے مذکورہ بالا قسم کھائی اس میں شیطان نے ان کے صبر ہی کو متزلزل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ صبر کی چٹان پر جمے رہے۔

'نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ'۔ بعینہٖ یہی الفاظ اوپر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ اس سے ان تمام واقعات کے اشتراکِ مقصد پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں اچھا بندہ بننے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی کے دل کے اندر کسی گناہ کا خطور نہ ہو بلکہ یہ کافی ہے کہ آدمی جب کسی لغزش کا احساس کرے تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور حق پر ثابت قدم رہے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (۴۵-۴۷)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق و حضرت یعقوب علیہم السلام کا خاص مشن

یہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی یاددہانی فرمائی۔ یہ اسرائیلی سلسلۂ رشد و ہدایت کے اصل عماید ہیں۔ ان لوگوں کو پدر سرانہ قسم کی سرداری بھی حاصل رہی اور روحانی بصیرت بھی۔ اس وجہ سے ان کی صفت 'اُولُوا الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ' آئی ہے یعنی ان کو قوت اور بصیرت دونوں نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔ اگر قوت کے ساتھ بصیرت نہ ہو تو آدمی ایک نہایت خطرناک جانور بن جاتا ہے۔ فرمایا کہ ان کو ہم نے آخرت کی یاددہانی کے خاص مشن پر مامور کیا تھا اور وہ ہمارے خاص برگزیدہ اخیار میں سے تھے۔

'ذِكْرَى الدَّارِ'، 'خَالِصَةٍ' سے بدل واقع ہے اور 'دار' دارِ آخرت کے مفہوم میں ہے اس لیے کہ اصلی گھر وہی ہے۔ یہ دنیا محض ایک سرائے فانی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصلی کام درحقیقت آخرت کی یاددہانی ہی ہے اس لیے کہ آخرت کی یاد ہی تمام صلاح و فلاح کی کلید ہے۔ اگر انسان اس سے غافل ہو جائے تو وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ اور اگر اس کی یاد اس کے اندر زندہ رہے تو وہ لغزشوں کے باوجود صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

حضرت اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ (۴۸)

'ذَا الْكِفْلِ' کا ذکر سورۂ انبیاء آیت ۸۵ میں گزر چکا ہے۔ وہاں ان کا ذکر حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کے ساتھ آیا ہے اور ان تمام انبیاء کا مشترک وصف 'صبر' مذکور ہوا ہے۔ یہاں حضرت

ذوالکفل علیہم السلام

ادریسؑ کی جگہ الیسعؑ کا نام ہے۔ 'الیسع' سے ملتے جلتے تورات میں دو نبیوں کے نام ہیں۔ ایک الیشع، جن کا زمانہ ۸۳۱ قبل مسیح بتایا جاتا ہے، دوسرے یسعیاہ، جن کا زمانہ ۷۴۰ قبل مسیح مذکور ہے۔ ذُوالْکِفْلِ، سے متعلق ہم سورۂ انبیاء میں اپنی رائے عرض کر چکے ہیں۔ سیاقِ کلام یہاں بھی صبر ہی کے ذکر کا ہے یہ وصف یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک وصف ہے لیکن یہ انبیاء اس میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔

هٰذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ (۴۹)

خلاصۂ بحث

یہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات سنانے کے بعد خلاصۂ بحث سامنے رکھ دیا ہے۔ فرمایا کہ یہ یاددہانی ہے، یعنی یہ محض ماضی کے قصے نہیں ہیں بلکہ تمہارے لیے بھی یہ درسِ موعظت اور عظیم درسِ موعظت ہے اور یہ یاد رکھو کہ خدا کے ہاں اچھا ٹھکانا خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے، ان لوگوں کے لیے وہاں ذلت کی مار ہے جو خدا کی پُرنصیحت کتاب کی باتیں سن کر اکڑتے اور اس کو جھٹلاتے ہیں۔ یہاں کلام کے تسلسل کو سمجھنے کے لیے پہلی آیت کے مضمون پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۚ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (۵۰-۵۴)

متقیوں کا صلہ

یہ اس بہترین ٹھکانے کا بیان ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں 'حُسْنَ مَآبٍ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ فرمایا کہ ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے جن کے دروازے ان کے لیے پہلے سے کھولے ہوئے ہوں گے۔ جس طرح کسی معزز مہمان کی آمد کے موقع پر پھاٹک کھول کر پہلے سے اس کا انتظار کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے خیر مقدم کے لیے جنت کے پاسبان ان کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

'شَرَابٍ' سے مراد مشروبات ہیں۔ وہ اس میں تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے اور اپنے خدام سے ہر قسم کے میوے اور مختلف قسم کے مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔

'وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ' 'قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ' باحیا اور شرمیلی نازنینوں کو کہتے ہیں۔ عرب اور دنیا کے تمام شرفاء میں عورت کی سب سے اعلیٰ صفت یہی سمجھی گئی ہے۔ 'اَتْرَابٌ' کے معنی ہم سن کے ہیں۔ یعنی ان کی تکمیلِ مسرت کے لیے ان کے پہلو بہ پہلو شرمیلی اور ہم سن نازنینیں بھی ہوں گی۔

'هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ ...... الآیۃ' یعنی یہ نعمتیں دے کر ان کو بتایا جائے گا کہ جن نعمتوں کی بشارت آج کے دن کے لیے آپ لوگوں کو دی گئی تھی وہ یہ حاضر ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ یہ جو کچھ آپ لوگوں کو ملا ہے اس میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس کے ختم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (۵۵)

غیروں کی سزا

یعنی ایک طرف متقیوں کے لیے یہ نعمتیں اور نوازشیں ہوں گی اور دوسری طرف طاغیوں اور سرکشوں کے

لیے نہایت برا ٹھکانا ہوگا۔ طاغیوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر شروع سورہ میں بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ، سے ہوا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی یاددہانی سے خدا کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اس کا مذاق اڑاتے اور اللہ کے رسول سے جھگڑتے ہیں۔

جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ (۵۶)

یہ اس 'شَرَّ مَاٰبٍ' کی تفصیل ہے۔ یعنی یہ برا ٹھکانا جہنم ہے۔ 'یَصْلَوْنَهَا' یعنی اس جہنم کی ان کو دُور دُور سے سیر نہیں کرائی جائے گی بلکہ ان کو اس میں داخل ہونا پڑے گا اور کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے جس میں یہ داخل ہوں گے!

هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۙ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ (۵۷-۵۸)

'هٰذَا ۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ' 'حَمِیْمٌ' گرم کھولتے پانی کو کہتے ہیں اور 'غَسَّاقٌ' کے معنی پیپ کے ہیں۔ یعنی ان کو اشارے سے بتا دیا جائے گا کہ یہ چیزیں ہیں ان کو چکھیں۔ اس کے بعد ان نفرت انگیز چیزوں میں سے دو کا ذکر کر کے یہ فرما دیا کہ اسی قبیل کی دوسری مختلف النوع نفرت انگیز چیزیں بھی ہوں گی جو ذکر کے لائق نہیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ چیزیں ان دوزخیوں کو 'نُزُل' یعنی اولین سامانِ ضیافت کے طور پر ملیں گی۔ اصل عذاب کا دور اس کے بعد شروع ہوگا۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ (۵۹)

اہلِ دوزخ کی تو تکار

اوپر کی آیت میں لفظ 'طاغین' دلیل ہے کہ یہ کفر کے سرغنوں اور لیڈروں کا بیان ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے پیرؤوں کی بھیڑ بھی ان کے سامنے لائی جائے گی اور ان کو خبر دی جائے گی کہ یہ لوگ بھی تمھارے ساتھ ہی جہنم میں پڑنے والے ہیں۔ وہ فوراً کہیں گے کہ یہ دفع ہوں، آخر یہ بھی تو جہنم ہی میں پڑنے والے بنے!

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ (۶۰)

پیرو غصہ سے دانت پیس کر جواب دیں گے کہ یہ تم، تم پر خدا کی مار ہو، تم ہو جس نے ہمارے لیے اس عذاب کا سامان کیا۔ اس فقرے میں مبتدا کے حذف اور دونوں مبتداؤں کے بیچ میں جملہ معترضہ پر نگاہ رہے۔ ایک ایک لفظ سے غصہ ابل رہا ہے۔ 'فَبِئْسَ الْقَرَارُ' بطور حسرت ان کی زبان سے نکلے گا کہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے جس کا تم نے ہمارے لیے سامان کیا! ویسے یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور استدراک بھی ہو سکتا ہے، لیکن مفہوم میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوگا۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ (۶۱)

اس کے بعد وہ اپنے رب سے درخواست کریں گے کہ اے رب! جن لوگوں نے ہمارے لیے اس عذاب کا سامان کیا اور ہمیں گمراہ کر کے اس منزل تک لائے ان کو دوزخ میں دُونا عذاب دیجیو۔

وَقَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ (۶۲-۶۳)

پھر یہ سوال ان کے اندر پیدا ہو گا کہ آخر وہ لوگ کہاں ہیں جن کو ہم اشرار میں شمار کرتے تھے کہ یہ دینِ آبائی کے دشمن، ہمارے دیوتاؤں کی توہین کرنے والے اور ہماری قومی وحدت پر ضرب لگانے والے ہیں؟ کیا ہم نے محض شرارت سے ان کا مذاق اڑایا اور ان کو مفسد ٹھہرایا درآنحالیکہ وہ صالحین میں سے تھے یا وہ بھی یہاں موجود ہیں لیکن ہم کو وہ نظر نہیں آرہے ہیں؟ یہ سوال غالباً وہ لوگ کریں گے جو اس دنیا میں جانتے تھے کہ جن مسلمانوں کو ہمارے لیڈر ہدفِ مطاعن بنائے ہوئے ہیں وہ اچھے لوگ ہیں لیکن وہ اپنے لیڈروں سے مرعوب ہونے کے باعث ان کے حق میں کوئی کلمۂ خیر کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (۶۴)

'ذٰلِكَ' کا اشارہ 'تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ' کی طرف ہے۔ 'تَخَاصُم' کے معنی باہمی تو تکار اور جھگڑے کے ہیں۔ فرمایا کہ اہلِ دوزخ کی جس تو تکار کا ذکر ہوا یہ ایک امرِ واقعی ہے اس کو کوئی خواب و خیال نہ سمجھے۔ آج جو لوگ حق کی مخالفت میں ایک دوسرے کے لیڈر اور پیرو بنے ہوئے ہیں وہ جو کچھ کریں اس انجام کو سامنے رکھ کر کریں۔

۸۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۶۵ - ۸۸

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کرایا ہے کہ میں ایک منذر ہوں اور ایک ہولناک دن سے لوگوں کو آگاہ کر رہا ہوں۔ جب وہ دن آجائے گا تو اللہ واحد کے سوا کوئی دوسرا کام آنے والا نہیں بنے گا۔ میرا کام انذار ہے وہ میں نے کر دیا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ایمان اتار دینا میری ذمہ داری نہیں ہے۔ جو لوگ غرور اور استکبار کے سبب سے مجھ سے جھگڑ رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ یہ روش انبیاء اور صالحین کی روش نہیں ہے بلکہ ابلیس اور اس کے پیروؤں کی روش ہے اور وہ اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے کر رکھا ہے ۔۔۔۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶۵ - ۸۸

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۶۵ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۶۶ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝۶۷ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝۶۸ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ

الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾
اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ
نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ
مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ
الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ
طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى
يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ
اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾
قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

ع ۵ ۲۴ ۱۴

ترجمۂ آیات ۶۵-۸۸

کہہ دو کہ میں تو بس ایک آگاہ کر دینے والا ہوں اور اللہ واحد و قہار کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا خداوند ہے، غالب اور بخشنے والا۔ کہہ دو کہ وہ ایک عظیم خبر ہے، تم اس سے اعراض کیے ہوئے ہو! ۶۵-۶۸

مجھے عالم بالا کی باتوں کی کچھ خبر نہ تھی جب کہ وہ جھگڑ رہے ہوں گے۔ یہ تو بس اس وجہ سے مجھے وحی کی جاتی ہے کہ میں ایک نذیر مبین ہوں۔ ۶۹-۷۰

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک لُوں تو اس کے آگے سجدے میں گر جائیو۔ تو تمام فرشتوں نے اس کو سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ اس نے گھمنڈ کیا اور انکار کرنے والوں میں سے بن گیا۔ پوچھا، اے ابلیس، اس چیز کو سجدہ کرنے سے تجھے کیا چیز مانع ہوئی جو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کی؟ یہ تو نے تکبّر کیا یا تو کوئی برتر ہستی ہے! اس نے جواب دیا، میں اس سے برتر ہوں۔ حکم ہوا تو یہاں سے نکل کیونکہ تو راندہ درگاہ ہوا۔ اور تجھ پر میری لعنت ہے جزا کے دن تک۔ اس نے کہا، اے میرے رب! مجھے مہلت دے اس دن تک کے لیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ ارشاد ہوا، تجھ کو مہلت دی گئی وقت معیّن تک کے لیے۔ اس نے کہا، تیری عظمت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کرکے رہوں گا، بجز تیرے ان بندوں کے جن کو تو نے خاص کرلیا ہو۔ ارشاد ہوا پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے، جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے، جہنم کو بھر دوں گا۔ ۷۱-۸۵

کہہ دو، نہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا طالب ہوں اور نہ میں کوئی بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ تو بس دنیا والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے اور تم جلد اس کی دی ہوئی خبر کو جان لوگے۔ ۸۶-۸۸

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ڰ وَّمَا مِنْ اِلٰـهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۶۵)

منکروں کو انذار

یعنی تم ان کو آگاہ کردو کہ میں تو آنے والے وقت سے تم کو ایک ہوشیار کرنے والا ہوں۔ اس سے زیادہ میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر تم اپنی ضد پر اڑے رہ گئے تو اس کا انجام خود دیکھو گے۔ اگر تم دوسرے

دیویوں دیوتاؤں کی شفاعت کے بل پر اس دن سے بے پروا ہو تو کان کھول کر سن لو کہ ایک خدائے قہار کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ لفظ قَہَّار کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ اس کے معنی ہیں سب کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا۔ یعنی اس نے اپنی پوری خدائی اپنے کنٹرول میں رکھی ہے وہ کوئی بے بس ہستی نہیں ہے کہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے تمہارے دیوتاؤں کا محتاج ہو۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۶۶)

خدا کے ہاں سفارشوں کی کوئی گنجائش نہیں

یہ صفت قَہَّار کی وضاحت ہے کہ وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا مالک ہے اور وہ عزیز و غفّار بھی ہے۔ عزیز، یعنی ہر چیز پر غالب اور مقتدر، مجال نہیں کہ کوئی اس کی گرفت سے باہر نکل سکے۔ ساتھ ہی وہ غفّار بھی ہے۔ اس وجہ سے جو اس کی رحمت و مغفرت کے حقدار ہوں گے ان کو بڑا بخشنے والا بھی ہے۔ اس کی طرف سے کسی ظلم یا ناانصافی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ تمہارے مفروضہ سفارشیوں کی ضرورت پیش آئے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ (۶۷-۶۸)

یعنی ان کو آگاہ کر دو کہ جس چیز سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ بڑا ہی اہم حادثہ ہے لیکن تم اس سے بے پروا ہو اور میرے انذار کا مذاق اڑا رہے ہو۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۶۹-۷۰)

یعنی اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ میں یوں ہی تم پر دھونس جمانے کے لیے ایک نذیر مبین بن بیٹھا ہوں اور تمہیں مرعوب کرنے کے لیے اہل دوزخ کی باہمی تو تکار کا افسانہ سنا رہا ہوں۔ بھلا عالم بالا کی ان باتوں کی مجھے کیا خبر ہو سکتی تھی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ سے مجھے اس لیے آگاہ فرما رہا ہے کہ میں ایک کھلے ہوئے ڈرانے والے کی طرح اس پیش آنے والے دن کی ہولناکی سے آگاہ کر دوں ورنہ میں کوئی غیب دان نہیں ہوں، میں تو بس ایک نذیر مبین ہوں۔ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے ان احوال سے مجھے اس لیے آگاہ فرمایا ہے کہ میں تمہیں اس طرح ان سے ڈراؤں کہ گویا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۷۱-۷۴)

استکبار کا شجرۂ نسب

یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا وہ ماجرا بیان ہو رہا ہے جو پیچھے متعدد سورتوں میں جستہ جستہ بیان ہوا ہے اور ہم اس کے تمام پہلوؤں پر مفصل بحث کر چکے ہیں، خاص طور پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی

اچھی طرح وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں اس ماجرے کا حوالہ اس استکبار کا شجرۂ نسب بیان کرنے کے لیے آیا ہے جس کا ذکر اس سورہ کی ابتدا میں 'بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ' کے الفاظ سے ہوا ہے اور جس پر اس پوری سورہ میں ضرب لگائی گئی ہے۔ گویا قریش کو اس آئینہ میں دکھایا گیا ہے کہ وہ جس گھمنڈ اور استکبار میں مبتلا ہو کر قرآن کی دعوت کو جھٹلا رہے ہیں یہ صالحین کی نہیں بلکہ ابلیس کی وراثت ہے۔ اسی میں مبتلا ہو کر اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس کی پاداش میں وہ ملعون ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اسی کی سنت زندہ کرنا چاہتے ہیں تو اس انجام کے لیے بھی تیار رہیں جو ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کا ہوگا۔

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ط اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (۷۵)

انسان قدرت کا ایک شاہکار ہے

ابلیس کے سجدہ نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اس سے بانداز عتاب سوال فرمایا کہ جس چیز کو میں نے خاص اپنے ہاتھ سے پیدا کیا آخر اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کیا چیز مانع ہوئی، کیا یہ محض تیرا غرور ہے یا تو کوئی برتر مخلوق ہے! 'خَلَقْتُ بِیَدَیَّ' سے اس خاص اہتمام کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے لیے فرمایا۔ انسان اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے قدرت کا ایک شاہکار ہے۔ اگر یہ اپنی صلاحیتیں صحیح طور پر استعمال کرے تو جنوں کو مسخر کر لینا تو معمولی بات ہے، یہ فرشتوں سے بھی بازی لے جاتا ہے۔ تمام جہان اس کے لیے مسخر ہے لیکن وہ اپنے رب کے سوا کسی کا بھی محکوم نہیں بنایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس اہتمام و عنایت کے ساتھ پیدا کی ہوئی مخلوق کو، جب کہ خود خدا نے اس کے سجدہ کا حکم دیا، آخر کس بنیاد پر تو نے سجدہ کرنے سے انکار کیا؟ اعتبار تو صفات و صلاحیتوں کا ہے نہ کہ مٹی اور آگ کا، اگر قدرت کے دست تصرف نے مٹی کے ایک لوندے ہی سے اپنا ایک شاہکار تیار کر دیا تو کیا اس بنیاد پر اس کے حسن و کمال کا انکار کیا جائے گا کہ وہ مٹی سے تیار ہوا ہے! فرمایا کہ تیری یہ حرکت محض اندھے بہرے غرور کا نتیجہ ہے یا تو اپنے زعم میں کوئی برتر ہستی ہے!

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ط خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (۷۶)

فضیلت کی بنیاد نسب پر رکھنا شیطان کی ایجادات میں سے ہے

ابلیس نے اس کا جواب دیا کہ میں اس سے برتر ہوں اور اس کی دلیل یہ دی کہ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔ یعنی اس نے اپنی برتری کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں اس نے یہ چیز پیش کی کہ اس کی خلقت ایک برتر عنصر سے ہوئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اس نے فضیلت کی بنیاد صفات پر نہیں بلکہ صرف نسب اور خاندان پر رکھی۔ یہ وہی منطق ہے جو قریش کے لیڈر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غریب ساتھیوں کے مقابل میں پیش کرتے تھے، جس کا ذکر اس سورہ میں پیچھے گزر چکا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی کتاب اتارنی ہی ہوتی تو ہم میں سے کسی پر اتارتا نہ کہ ان کے جیسے بے مایہ آدمی پر جن کے ساتھی انہی جیسے نادار اور غریب لوگ ہیں۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ (۷۷-۷۸)

شیطان کا چیلنج اور اس کا جواب

'مِنْهَا' میں ضمیر کا مرجع جنت ہے اس لیے کہ یہ ماجرا جیسا کہ دوسرے مقامات میں وضاحت ہے، جنت ہی میں پیش آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرکشی کے بعد اس کو ملعون قرار دے کر جنت سے نکل جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میری یہ لعنت تیرے اوپر قیامت کے دن تک کے لیے ہے۔ اس دن تو اپنے اس جرم کی سزا بھگتے گا۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (۷۹-۸۱)

اللہ تعالیٰ کی اس لعنت سے ابلیس نے گمان کیا کہ شاید اس کی مہلتِ عمل ختم کی جا رہی ہے اور اس کو انسان کے خلاف زور آزمائی کا موقع اب نہیں دیا جائے گا اس وجہ سے اس نے درخواست کی کہ اس کو اس دن تک کے لیے مہلت دی جائے جس دن لوگ اپنے اعمال کے حساب کے لیے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ مہلت دے دی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (۸۲-۸۳)

جب اس کو یہ مہلت مل گئی تو اس نے بڑے طنطنہ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت کی قسم کھا کر، کہا کہ اب میں ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا اور ان میں سے بجز ان کے جن کو تو نے اپنی بندگی کے لیے خاص کر لیا ہو، سب میرے فتراک ضلالت کے نخچیر ہو کے رہیں گے۔ یعنی میں یہ ثابت کر دوں گا کہ اس انسان کو تو نے جس عزت و شرف کا اہل سمجھا ہے یہ ہرگز اس کا اہل نہیں ہے اور میں اس کو سجدہ نہ کرنے میں بالکل بجانب حق تھا ہوں۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُوْلُ ۝ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ (۸۴-۸۵)

شیطان نے بڑے طنطنہ سے چیلنج کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بھی پورے جلال اور کامل بے نیازی سے دیا۔ فرمایا کہ اگر تو سب کو گمراہ کر کے چھوڑے گا تو میری بھی یہ حق بات سن لے اور میں ہمیشہ حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور ان لوگوں سے جہنم کو بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔

یہ ماجرا قریش کے لیڈروں اور آنکھیں بند کر کے ان کی پیروی کرنے والوں کو سنایا گیا ہے کہ وہ بھی اگر دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا رکھتے ہیں تو اس حکایت میں اپنا حشر دیکھ اور سن لیں۔

قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِيْنٍ (۸۶-۸۸)

تنبیہ باندازِ موعظت

یہ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کرایا ہے کہ میں یہ قرآن جو تم کو سنا رہا ہوں تو اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب نہیں ہوں کہ تم نے اس کی قدر نہ کی تو میں صلہ سے محروم رہ جاؤں گا میں

نے یہ بارِ گراں خود اپنی خواہش سے نہیں اٹھایا ہے بلکہ یہ خدا کی ڈالی ہوئی ایک ذمہ داری ہے اس لیے اس کا اجر بھی اسی کے پاس ہے اور اس کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بھی وہی میری مدد اور رہنمائی بھی فرمائے گا۔ اگر تم اس کو رد کر دو گے تو یاد رکھو کہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے دنیا والوں کے لیے ایک عظیم یاددہانی ہے اور یہ جس بات کی خبر دے رہا ہے وہ زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔

ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر توفیقِ ایزدی اتمام کو پہنچی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

رحمان آباد

۱۲ مئی ۱۹۷۵ء